لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ محمّد رّسول اللّٰہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ۔ ھو الّذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدّین کلّہ

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ؁ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دُنیا کے مذاہب پر نظر

ایڈیٹر محمد دین

جلد ربیع الاوّل سنہ ۱۳۴۰ھ ؁ دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء نمبر

چندہ سالانہ عام طلباء

فہرست مضامین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظیم الشان معارف تفسیر القرآن

خزینۃ العرفان

جس کے متعلق عرصہ دو سال سے احباب کو انتظار کرائی گئی ہے۔ جس میں
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصانیف سے تمام آیات قرآنی
کی تفسیر بالترتیب جمع کی گئی ہے۔ اب خدا کے فضل سے اس کا پہلا
حصہ چھپ کر طیار ہوگیا ہے۔ قریباً پونے دو سو صفحات پر ختم ہوا ہے۔
لکھائی چھپائی اور کاغذ اعلیٰ اور خوبصورت۔ جو احباب ایک روپیہ
پیشگی ادا کر کے مستقل خریدار بن چکے ہیں۔ وہ جلسہ پر تشریف لادیں
تو اس حصہ اوّل کی قیمت عہ؍ ادا کر کے لے لیں۔ اور دیگر احباب
خصوصاً وہ دوست جن کے پاس احمدی حمائل شریف مترجم ہے
وہ بھی اس تفسیر کے ضرور مستقل خریدار بن جائیں۔ ورنہ بعد میں
کفِ افسوس ملنا پڑیگا۔ بخوفِ کمیٔ قدردانی اس کی تعداد کل
پانسو چھپوائی گئی ہے۔ اس اعلان کے پڑھتے ہی احباب پہلا کام
یہی کریں۔ کہ اس مقدس نعمت غیر مترقبہ کی خریداری کے لئے
فوراً درخواست ارسال کردیں ؎

سلسلہ احمدیہ کی فہرست کتب پتہ ذیل سے مفت طلب کر لیں

احمدیہ کتاب گھر قادیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا خط بنام جماعت احمدیہ لیگوس

اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ
امّا بعد۔ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

برادران لیگوس و علاقہ جات متعلقہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں اس موقعہ پر کہ مغربی افریقہ کی احمدیہ جماعت کا پہلا جلسہ ہے نہایت خلوص دل سے آپ نمائندگان جماعت احمدیہ مغربی افریقہ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالےٰ آپ کی محنت اور سعی میں برکت دے۔ اور آپکے اجتماع کو نتیجہ خیز بنائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں عاجزانہ طور پر گرگر اسکے وسیع رحم کی چوکھٹ پر جبہ سائی کرتے ہوئے اسکے فضل کے لئے التجا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں بھی جو گو آپ سے دور ہیں۔ مگر ہمارے دل آپکے قریب ہیں۔ اور آپکو بھی جو اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنے دلوں میں لیکر اس جلسہ میں جمع ہوئے ہیں ڈھانپ لے اور ہر قسم کے شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات سے بچائے اور ہمارے دلوں اور ہماری روحوں اور ہماری خواہشات اور ہماری حرکات اور ہمارے سکنات اور ہمارے اقوال اور ہمارے اعمال کو صرف اپنی ہی

لئے کرے۔ اور ہم اس کے ہو جائیں اور وہ ہمارا ہو جائے ؎

اس کے بعد اے بھائیو جو آج خدا کے لئے جمع ہوئے ہو تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا وجود وراء الوراء ہے اور انسانی عقل اور انسانی تدبیر اسے اپنے زور سے نہیں پا سکتی۔ اور نہ اس کی کوشش اسے اس کے دروازے تک پہنچا سکتی ہے سوائے اس کے کہ وہ اپنے وجود کو آپ ظاہر کرے۔ اور اپنی ہستی کو خود آشکارا کرے اور وہ جو اس راستہ میں اپاہجوں کی طرح ہے۔ اور ایک قدم بھی چلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس کے پاس آپ چلکر آئے۔ اور وہ جو زمین پر سے سر اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اسے خود آغوش میں اُٹھائے۔ اور اپنی محبت کا دودھ اسے پلائے۔ اور اپنے علم کا لعاب اس کے مُنہ میں ڈالے تا اس کا جسم طاقت پائے۔ اور اس کی روح قوّت حاصل کرے۔ اور اس کا ذہن روشن ہو جائے۔ اور اس کی بصارت تیز ہو جائے اور اس کے کانوں کی طاقت بڑھ جائے۔ اور اس کی قوّت شامہ نشوونما پائے۔ اور قوّت ذائقہ حدت حاصل کرے تا ایسا ہو کہ وہ جو مُردہ تھا زندہ ہو جائے۔ اور وہ جو کمزور تھا قوی ہو جائے۔ اور جو اُٹھ نہ سکتا تھا کھڑا ہو جائے۔ اور جو چل نہ سکتا تھا دوڑنے لگے۔ اور جو کود نہ سکتا تھا اُڑنے لگے۔ اور جو دیکھ نہ سکتا اس کی نظر تمام روکوں کو چیر کر گذر جائے۔ اور جو پاس کی بات نہ سُن سکتا تھا وہ دُور کی آوازوں کو بھی سُن لے۔ اور جو سونگھ نہ سکتا تھا ہلکی سے ہلکی خوشبو کو بھی سونگھ لے۔ اور جس کے میٹھے اور کڑوے میں فرق کرنے کی طاقت نہ تھی وہ ہر ایک شئے کے مزے میں فرق کرے۔ اور اس طرح خدا کی محبت کا دودھ پی کر اور اس کی ہدایت سے ہدایت پا کر اور اس کی طاقت پا کر وہ اس کی معیت کا مزا چکھے۔ اور اس کے قرب کی لذت حاصل کرے ؎

پس اے بھائیو! خوب یاد رکھو کہ خدا کو پانے کا ذریعہ صرف خدا ہی ہے اور اس تک پہنچنے کا طریق یہی ہے کہ وہ آپ چلکر تم تک آئے۔ اور اس کے آنیکا یہی طریق ہے

کہ وہ اپنے نبیوں اور اپنے رسولوں کو اس دنیا میں بھیجتا رہتا ہے۔ تاکہ ان پر ایمان لاکر اور انکے بتائے ہوئے راستہ پر چلکر لوگ خدا تعالیٰ کی محبت کو کھینچیں اور اس کے فضل کو جذب کریں۔ اور اس طرح اپنے لئے دائمی خوشی کا سامان کریں۔ اور ابدی آرام اور ہمیش کی کامیابی کو حاصل کریں۔ اور جسے یہ بات حاصل نہیں۔ اسے کچھ بھی حاصل نہیں۔ کیونکہ وہ شخص وقتی خوشی پر خوش ہو کر دائمی خوشی سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اور ابدی آرام اور ہمیش کی کامیابی کی بجائے وقتی آرام اور محدود کامیابی پر راضی ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے۔ جیسے اس بچہ کی۔ جو کھیل کود کی لذت کو علم حاصل کرنے کی کوشش پر مقدم کرتا ہے۔ یا اس بیمار کی۔ جو عمدہ کھانے کے مزے کو صحت کے سکھ پر ترجیح دیتا ہے۔ یقیناً جس طرح وہ بچہ بڑا ہو کر پچھتائے گا اور اپنی غفلت پر افسوس کریگا۔ اور جس طرح وہ بیمار مرض کی تکلیف کی سختیوں کو دیکھ کر حسرت سے ہاتھ ملیگا۔ اور نزع کی شدت کو دیکھیگا۔ اسی طرح وہ شخص جو اللہ کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنیکی کوشش کرنے کی بجائے دنیا کی ترقی اور اس کے آرام کی فکر میں لگا رہتا ہے اپنے مرنے پر بلکہ اسی دنیا میں اپنی نادانی پر پچھتائیگا۔ اور اپنی ضائع شدہ عمر پر افسوس کریگا۔ مگر اسوقت ندامت فضول ہوگی اور حسرت عبث ہوگی۔ کیونکہ وہ جو مر جاتے ہیں۔ پھر واپس نہیں آیا کرتے۔ اور جو خدا تعالیٰ کے حضور میں آخری فیصلہ کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کو پھر مہلت نہیں دی جایا کرتی ؛

پس اے عزیزو! میں تم کو خدا اور اس کے رسولوں کے نام پر اس حقیقی راحت کی طرف بلاتا ہوں۔ جس سے بڑی اور کوئی راحت نہیں۔ اور اس دائمی خوشی کی دعوت دیتا ہوں۔ جس کے بعد کوئی رنج نہیں۔ لوگ کوششیں کرتے ہیں۔ کہ ان کو کسی طرح حکامِ وقت کی ملاقات کا فخر حاصل ہو جائے۔ اور بادشاہوں کے چہروں پر انکی نظر پڑ جائے جب بادشاہوں یا شہزادوں کے جلوس نکلتے ہیں۔ تو وہ گھنٹوں پہلے گلیوں اور سڑکوں پر جمع ہو جاتے ہیں۔ تاکہ ان کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں حالانکہ ان

بادشاہوں اور ان شہزادوں کو کچھ بھی علم نہیں ہوتا کہ کوئی انکو دیکھ رہا ہے۔ اور ان کا دیکھنا ان دیکھنے والوں کو کچھ بھی نفع نہیں دیتا۔ وہ جس طرح خالی ہاتھ آئے تھے۔ اسی طرح واپس چلے جاتے ہیں۔ نہیں بلکہ اور بھی زیادہ مفلس ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ بسا اوقات ان کو ان بڑے لوگوں کے دیکھنے کے لئے بڑی بڑی رقمیں خرچ کرنی پڑتی ہیں۔ مگر دیکھو میں تم کو اس احکم الحاکمین کی ملاقات کے لئے آواز دیتا ہوں۔ جسکے دربار میں یہ دنیا کے بادشاہ ایک چپڑاسی کے برابر بھی عزت نہیں رکھتے۔ اور دنیا کے حکام ایک مہتر کی سی بھی وقعت نہیں رکھتے۔ میں اس بادشاہ کی ملاقات کے لئے تمہیں بلاتا ہوں جسکی ملاقات کے لئے تمہیں کچھ خرچ کرنا نہیں پڑتا۔ بلکہ جو خود تمہاری ضروریات کو پورا کرتا اور تمہیں اپنے فضل سے مالا مال کرتا ہے۔ اور اگر کچھ خرچ بھی کرنا پڑتا ہے۔ تو وہ اسی مال میں سے ایک جزو ہوتا ہے۔ جو خود اس نے تم کو دیا تھا۔ اور یہ خرچ بھی ایک بیج کی مانند ہوتا ہے۔ کہ اس کی قبولیت کا چھینٹا جب اس پر پڑتا ہے۔ تو وہ ایک صحیح اور عمدہ بیج کی مانند خوشنما سبزہ کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ اور بیج پھینکنے والے کے گھر کو غلہ سے بھر دیتا ہے۔ میں اس بادشاہ کی ملاقات کے لئے تم کو بلاتا ہوں جسکی ملاقات کے لئے تم کو سیکرٹریوں کی خوشامدیں نہیں کرنی پڑتیں۔ نہ چپڑاسیوں کی منتیں کرنی پڑتی ہیں۔ اور نہ اردلیوں کے آگے سر جھکانے پڑتے ہیں۔ بلکہ اس کے دروازہ ہر وقت کھلے ہیں۔ اور اس کا دربار ہر وقت لگا رہتا ہے۔ میں اس بادشاہ کی ملاقات کے لئے تم کو بلاتا ہوں جو نہ سوتا ہے۔ نہ تھکتا ہے۔ نہ بیمار ہوتا ہے نہ مشغول ہوتا ہے۔ وہ تمہاری خواہش ملاقات کو سنکر یہ نہیں کہتا۔ کہ میں اس وقت سو رہا ہوں۔ یا میں اس وقت تھک گیا ہوں۔ یا میں اس وقت بیمار ہوں یا یہ کہ میں اسوقت کسی اور کام میں مشغول ہوں وہ ہر وقت تمہارے لئے دروازہ کھلے رکھتا اور ہر وقت تمہارے لئے فارغ رہتا ہے۔ میں اس بادشاہ کی ملاقات کے لئے تمہیں بلاتا ہوں۔ جس کے خزانہ کم نہیں ہوتے۔ اور جس کا علم محدود نہیں ہوتا۔

اور جس کی حکومت سے کوئی باہر نہیں۔ وہ تم سے یہ نہیں کہتا۔ کہ اس کے بجٹ میں تمہاری حاجتوں کے پورا کرنے کے لئے گنجائش نہیں یا تمہاری شکایت کے پورا کرنے کے ذرائع اسے معلوم نہیں یا یہ کہ تمہارا دشمن اس کے دائرہ حکومت سے باہر ہے۔ مَیں تم کو اس بادشاہ کی ملاقات کی طرف بلاتا ہوں۔ جس کی حکومت صرف اس دنیا پر ہی نہیں۔ بلکہ ہر ایک دنیا پر اور ہر ایک حالت پر ہے۔ وہ تمہارا اسی دنیا میں ہی متکفل نہیں۔ بلکہ اگلے جہان میں بھی وہی تمہارا متکفل ہے۔ بلکہ اس دنیا میں تو اس کی کفالت پردوں میں مخفی بھی ہوتی ہے۔ اور دوسرے لوگوں کی وساطت سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ مگر اگلے جہان میں تو صرف اسی کی کفالت اور اسی کی ولایت اور اسی کی بادشاہت رہ جاتی ہے۔ اور سب پردہ اُٹھ جاتے ہیں۔ اور سب واسطہ ہٹا دیئے جاتے ہیں۔ پس کیا تم میری آواز پر لبیک کہتے ہو اور اس بادشاہ کے دیدار کے لئے قدم بڑھانے لئے تیار ہو۔ اگر تیار ہو تو یاد رکھو۔ کہ وہ بادشاہ غیور ہے۔ اور پسند نہیں کرتا۔ کہ وہ۔ اور اس کا غیر ایک ہی جگہ پر جمع ہوں اور کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ نور اور ظلمت ایک جا اکٹھے ہو سکیں۔ دنیا اور اسکے اموال اور اس کی عزتیں جب خدا سے دُور ہو کر حاصل ہوں اور جب اس کے مقابلہ پر کھڑی کی جائیں تو تاریکی اور ظلمت ہوتی ہیں۔ اور خدا نور ہے۔ اور وہ گند ہیں۔ اور خدا پاکیزگی ہے۔ پس کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی نور کے سامنے بھی ہو۔ اور ظلمت بھی اس سے جدا نہ ہو۔ اور پاکیزگی کا دعویٰ بھی کرے۔ اور گندگی سے بھی ملوث ہو۔ تم جانتے ہو۔ کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ اور ہر ایک عقلمند جانتا ہے۔ کہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ پس اگر اس بادشاہ سے ملنا چاہتے ہو۔ اور اگر اس کی دوستی حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو اس کی محبت پر کسی اور چیز کی محبت کو فوقیت نہ دو۔ اور اس کے پیار کے مقابلہ کسی اور شئے کے پیار کو نہ رکھو۔ مَیں یہ نہیں کہتا۔ کہ تم اپنے عزیزوں اور دوستوں سے محبت نہ کرو۔ بلکہ مَیں یہ کہتا ہوں۔ کہ ان سے تم

خدا کے لئے اور خدا میں ہو کر پیار کرو۔ اور جب ان کا پیار خدا کے پیار کے مقابل میں آ جائے۔ اور ان کی محبت تم کو خدا کے راستہ سے دُور کرنا چاہے۔ تو تم ان کی محبت کو نجاست کی طرح اپنے سے دُور کر دو۔ اور خدا تعالیٰ کی محبت کو مقدم رکھو۔ اسی طرح مَیں تم سے یہ نہیں کہتا کہ تم دنیا کی چیزوں کو بکلی چھوڑ دو۔ اور سب کام چھوڑ کر اپنے گھروں میں بیٹھ جاؤ۔ بلکہ مَیں تم کو یہ کہتا ہوں۔ کہ دنیا کی چیزیں تمہارا اصل مقصود نہ ہوں۔ بلکہ تم ان سے اسی طرح تعلق رکھو۔ جس طرح انسان ضرورتاً جائے ضرور میں جاتا ہے۔ وہ جب فراغت پاتا ہے فوراً اس جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے اس جگہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ تو مجبوراً ایک طبعی تقاضا کو پورا کرنیکے لئے وہاں گیا تھا۔ اور چاہیئے۔ کہ جب خدا تعالیٰ کی راہ میں یہ چیزیں روک ہوں۔ یا ان کی قربانی اللہ تعالیٰ کے منشاء کے پورا کرنیکے لئے ضروری ہو تو تم ان کو قربانی کر دو۔ کیونکہ کیا یہ سچ نہیں۔ کہ ہر ایک دولت اور ہر ایک عزت اسی کی طرف سے آئی ہوئی ہے۔ پس تم اس کے لئے کوئی قربانی نہیں کرتے بلکہ اس کی امانت میں سے صرف ایک حصّہ کو واپس کرتے ہو ۔

غرض اے عزیزو! اگر تم خدا تعالیٰ کی ملاقات چاہتے ہو۔ اور اس کی خوشنودی تم کو مطلوب ہے۔ تو اس کے مقابلہ میں بُت کھڑے نہ کرو نہ پتھر کے نہ قرابت اور رشتہ داری کے۔ اور نہ عزت و وجاہت کے اور نہ مال و زر کے اور نہ خواہشات نفسانی کے۔ کیونکہ اس صورت میں تم اس کے باغی بنتے ہو۔ اور باغی باریاب نہیں کیا جاتا۔ مگر پا بہ زنجیر اور مجرم پیش نہیں کیا جاتا مگر سزا کے لئے ۔

اے عزیزو! خدا تعالیٰ کی آواز مسیح موعودؑ کے ذریعہ اس وقت بلند کی گئی ہے۔ تم نے اس کو سُنا۔ اور اسے جواب دیا۔ پس اب جبکہ تم اس آواز کی شناخت کر چکے ہو اس کے ماتحت اپنی تمام خیالات اور اپنے تمام اقوال اور اپنے تمام اعمال کر دو کیونکہ وہ خدا کی آواز ہے۔ مسیح موعودؑ صرف ایک واسطہ ہے وہ صرف

ایک نے کی حیثیت رکھتا ہے۔ نہ کہ خود آواز دینے والا ہے۔ کیا نے خود بولا کرتی ہے۔ نہیں اسکے اندر سے دوسرے کنارہ پر سے ایک اور ہستی بولتی ہے اور جو کچھ وہ بولتی ہے۔ نے اسے بلند آواز سے دوسروں کو سُنا دیتی ہے۔ اسی طرح مسیح موعودؑ بھی خود نہیں بولتا تھا۔ بلکہ وہ نے کی طرح آقا کی آواز کو بلند کر دیتا تھا۔ اس کی آواز کی مثال کو تم یہ سمجھ لو۔ کہ جیسے ایک گڈریا شام کے وقت یہ دیکھ کر کہ اب جنگل کے درند اس کے ریوڑ پر حملہ کرینگے اور انکو نقصان پہنچائینگے۔ بانسری بجاتا ہے تاکہ اس کا ریوڑ اس کے گرد جمع ہو جائے اور درندوں کے حملہ سے بچ جائے مسیح موعودؑ بانسری ہے۔ جسے اس تاریکی کے زمانہ میں خدا سے محبت رکھنے والوں کو شیطانی حملوں سے بچانے کے لئے خدا نے بجایا۔ اور اس کی آواز درحقیقت خدا کی ہی آواز ہے ؎

اے عزیزو! چاہیے کہ تمہارے اخلاق سب دنیا سے بہتر ہوں۔ کیونکہ جو نور کے قریب تر ہوتا ہے۔ وہ زیادہ روشن ہوتا ہے۔ اگر تم دوسروں سے اعلیٰ اخلاق نہیں رکھتے۔ تو کیونکر کہہ سکتے ہو۔ کہ تم نور سے دوسروں کی نسبت زیادہ قریب ہو۔ اسلام کو اپنا شعار بناؤ۔ کیونکہ یہی ایک راہ ہے۔ جس پر چلکر دنیا کی ہدایت ممکن ہے اور اتحاد اور محبت سے کام کرو۔ چاہیئے کہ تمہارے دل ایک دوسرے کے کینوں سے خالی ہوں۔ اور تمہارے سینہ ایک دوسرے کی محبت سے معمور ہوں۔ اور چاہیئے کہ سب ملکر خدا کے جلال کو دنیا پر ظاہر کرو۔ اور اس عاجز کے ساتھ جسے اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت کا خلیفہ بنا کر اپنی طرف سے دین کی حفاظت کا کام سپرد کیا ہے۔ عقد اخوت کو مضبوط باندھو۔ کیونکہ جو شاخ کہ جڑ سے دُور ہوتی ہے۔ یا اس سے کم تعلق رکھتی ہے وہ خشک ہو جاتی ہے۔ اور کاٹی جاتی ہے

میں آخر میں پھر تمہارے لئے دعا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہارے شامل حال ہو۔ اور اس کا ہاتھ تمہارے سر پر ہو۔ اور تم اسکی آنکھوں کے سامنے بڑھو۔

پہاڑی وعظ کے یہودی ماخذ

گذشتہ آرٹیکل میں ہم دکھلا چکے ہیں۔ کہ حضرت مسیح ابن مریم کی جسقدر تعلیم پہاڑی وعظ میں مندرج ہے وہ یہودیوں کی کتب خاص کر کے عہد عتیق کی کتابوں سے اخذ کی گئی ہے۔ ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ دوبارہ ناظرین رسالہ کو متنبہ کر دیں۔ کہ ہمارا منشاء اس سے حضرت مسیح پر کسی قسم کے اعتراض کا نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہم کسی طرح بھی یہ روا رکھ سکتے ہیں۔ کہ ان کی کسر شان ہو۔ باوجود اس امر کا اعتراف کرنے کے کہ حضرت مسیح کی تعلیم میں جس قدر بھی خوبی ہے وہ عہد عتیق اور یہودی علماء کی تعلیم کا عکس ہے۔ اور جو کچھ حضرت نے سکھلایا وہ پہلے بڑی عمدگی سے سکھلایا جا چکا تھا۔ پھر بھی ہم آپ کی عزت کرتے ہیں اور آپ پر ایمان لانا اپنا فرض عین سمجھتے ہیں۔ آپکی تعلیمات نئی ہوں یا نہ ہوں۔ وہی خیال پہلے بھی کئی ایک انبیاء اور صلحاء کی زبان و قلم سے نکل چکا ہے۔ مگر اس سے ہمارے خیال میں آپ کے کریکٹر پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اور نہ ہی آپ کی شان میں کوئی کسر آتی ہے۔ آپکی شان ایسی ہی اعلیٰ وارفع ہے۔ جیسی کہ وہ پہلے تھی۔ اگر آپ وہی باتیں کہتے ہیں جو پہلے بھی کہہ چکے ہیں تو اس سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک نبی کا تجربہ فطرت انسانی کے متعلق وہی ہے۔ ایک ہی بیماری ایک ہی علاج۔ جب حالات ایک ہی قسم کے پیدا ہو جائیں تو نتائج بھی ایک ہی قسم کے واقع ہوا کرتے ہیں۔ تاریخ اپنے آپ کو ہمیشہ دوہراتی رہتی ہے۔ اگر صورت حالات ایک سی واقع ہو جائے تو یہ تجربہ اور مشاہدہ میں آچکا ہے کہ حکما اور فلاسفر جو ایک دوسرے سے بہت دور رہنے والے تھے۔ کیا بلحاظ مکان کے اور کیا بلحاظ زمانے کے۔ یہ لوگ بھی اپنے اپنے طور پر آخر ایک ہی نتیجہ پر

پہنچے ہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ انسانی تجربہ ہمیں ان گذشتہ ازمنہ میں لے جاتا ہے جو انسان کی ابتدائے آفرینش کے بھی کچھ پہلے کا ہے۔ یہی وہ تجربہ ہے جو الٰہی ہدایت کے ماتحت ہمارے قانون اخلاق کی بنیاد ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس پر تمام دنیا بھر کی اخلاقی اور منتظم شدہ سوسائٹی کی بنا قائم ہوئی ہے۔

اس لئے ہمارا فرض ہو جاتا ہے۔ کہ آیا نبی جو تعلیم پیش کرتا ہے وہ اسوقت کے واقعات زندگی کے عین مطابق ہے یا نہیں اور اس وقت کی برائیوں اور نقائص کا وہ سچا علاج پیش کرتا ہے یا نہیں۔ یہ ہمیں نہیں دیکھنا چاہیئے آیا جو وہ کہتا ہے وہ نیا اور اس کا اپنا ہے یا نہیں۔ ایک انسان کی۔ خاص کرکے ایسے جلیل القدر انسان کی جیسے کہ انبیاء ہوتے ہیں قدر و منزلت کا اسی سے پتہ چل جاتی ہے۔ اور حقیقت امر اسی سے آشکار ہو جاتی ہے آیا اس کی طرز زندگی اور اخلاقی ہستی سے بنی نوع کے صحیح خیالات میں کوئی جوش موجزن ہوئے ہے یا نہیں۔ آیا صحیح رگ انسانیت پر برمحل و باموقع ٹھیس لگی ہے یا نہیں۔ آیا صحیح جذبات کا نشو ہوا ہے یا نہیں اور نیز آیا انسانی اور قومی زندگی میں کوئی ایسا مکمل تغیر و انقلاب عظیم پیدا ہوا ہے یا نہیں جس سے خیالات افعال، اعمال اور نیات صحیح طور پر پلٹا کھا گئے ہوں اور ان کے اندر وہ نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی ہو جس سے انسان کی قومی و انفرادی زندگی بالکل متغیر ہو گئی ہو۔ اگر ایسا تغیر وقوع پذیر ہو جائے۔ خواہ اس کے لئے کوئی تعلیم بھی استعمال کرنی پڑی ہو تو بھی ہم کہیں گے۔ کہ اس شخص نے ہم سے خراج تحسین حاصل کرنے کا حق پیدا کر لیا ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسکو وہ نہ دیں جس کا کہ وہ بجا طور پر حقدار ہو چکا ہے۔ یعنی دلی عزت و قدر و منزلت جس کو بالفاظ دیگر مذہبی اصطلاح میں ایمان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یعنی پھر ہمارا فرض ہو جاتا ہے۔ کہ ہم خلوص قلب سے اس پر ایمان لائیں۔ اور اس کے احکام

کی بجا آوری کو اپنا فرض منصبی خیال فرما دیں۔ اس لئے اگر راستباز کو پرکھنا ہو تو یہ مطالبہ ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ کونسی نئی تعلیم ہے جو تم لائے ہو۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس سے بنی نوع کو کیا فائدہ پہنچا۔ اور اس اندھی دنیا میں اس نے اپنی مشعل سے کس قدر روشنی دی۔ اور اس کا نور کہاں کہاں تک اندھیرے کے ہٹانے میں کامیاب ہوا۔ پس ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ جو سچائی وہ شخص لایا ہے اور جسکی وہ تلقین کرتا ہے آیا وہ حالات حاضرہ کے مطابق ہے یا نہیں۔ بالفاظ دیگر آیا ان حالات پر وہ منطبق ہوتی ہے یا نہیں۔ اور اس زمانہ کی مرض کا سچا علاج ہے یا نہیں۔ یہ بھی دیکھنا ضروری ہوتا ہے آیا اس وقت کے حالات بھی اس تعلیم کے متقاضی ہیں یا نہیں۔ پھر ان سب باتوں پر دیکھ کر یہ بھی دیکھنا ہے کہ عملی زندگی کو وہ تعلیم راہ راست پر ڈالنے میں کامیاب ہوتی ہے یا نہیں۔ نیز یہ کہ فطرت انسانیہ کے لئے سانچہ کا کام وہ دے سکتی ہے یا نہیں ؎

پس اس قسم کی تعلیمات اور اصولوں کا کثرت سے کسی سلسلہ اور تحریک میں پایا جانا اس سلسلہ کے لئے باعث فخر ہے نہ کہ وجہ الزام۔ خاص کر کے الٰہی سلسلہ میں ہونا تو اور بھی خوبی کی وجہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اس امر کا ثبوت ہوتے ہیں کہ وہ سلسلہ صحیح فطرت انسانی کے تجربات اور حسیات کو مدنظر رکھنے والا ہے اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام نے پہلی تعلیموں کو لیکر پیش کر دیا تو کوئی ان کی شان میں کمی نہیں آگئی اور اگر اسلام نے ان کو نیا جامہ پہنا دیا اور ان کی قطع برید کر کے ضرورت زمانہ کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب ترمیم و اصلاح کے ساتھ اگر ان تعلیموں کو پیش کر دیا ہے تو اسلام کے لئے باعث عار نہیں۔ لیکن چونکہ اس زمانہ میں حضرت مسیحؑ کی سچی تعلیم سے دُور پڑے ہوئے پادری صاحبان اسی بات پر مصر ہیں کہ جدت ہی ثبوت کسی مذہب کی سچائی کا ہو سکتی ہے تو اس صورت میں ہمیں بھی مجبوراً بصد اکراہ انہی کے ہتھیار انکے خلاف اُٹھانے

پڑے ہیں اور ہم بتلانا چاہتے ہیں۔ کہ حضرت مسیحؑ کی تعلیم میں بھی کوئی جدت نہیں۔ اور جو کچھ بھی آپ کی تعلیم بھلی بُری ملتی ہے وہ پرانی تعلیموں کا خاکہ اور گونج ہے۔ خاص کر کے ایسی تعلیموں کی جو دنیا میں عام طور پر مروج و مشہور و معروف تھیں؛

گذشتہ آرٹیکل میں ہم نے آخری تحریک کا ماخذ پیش کیا تھا۔ اور ہم نے یہ بتلایا تھا کہ یہ آیت کہ "مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے ہیں۔ کیونکہ خدا کی بادشاہت انہی کی ہے" یسعیاہ باب ۵۰ آیت ۶ و ۷ کی نقل ہے۔ اصل الفاظ یہ ہیں۔ "میں اپنی پیٹھ مارنے والوں کو دیتا اور اپنے گال ان کو جو بالوں کو نوچتے ہیں اپنا منہ رسوائی سے نہیں چھپاتا پر خداوند یہوواہ میری حمایت کرتا اور اس لئے میں شرمندہ نہ ہونگا اور اسی لئے میں نے چقماق کے پتھر کی مانند اپنا مُنہ رکھ دیا اور مجھے یقین ہے کہ پشیمان نہ ہونگا۔"

اصل بات یہ ہے کہ متی باب ۵ آیت ۱۱ اور لوقا باب ۶ آیت ۲۲ و ۲۳ متی باب ۵ آیت ۱۰ کی صرف توضیح و تشریح ہیں۔ سوائے اس امر کے کہ بد قسمتی سے کسی نے بعد میں بالکل غیر موزون جملہ "میری خاطر" بیچ میں ڈال دیا ہے۔ تاہم لوقا نے یہ احتیاط کی ہے کہ بجائے الفاظ "میری خاطر" کے "ابن آدم کی خاطر" رکھ دیا ہے تاکہ ذاتی تعلق کسی قدر کم ہو جائے اور انانیت زیادہ واضح نہ ہو۔ اسوقت اس آرٹیکل کے ہم باہر جا پڑیں گے اگر ہم اس مضمون پر بحث شروع کر دیں کہ یہ شخصیت کا سوال یہودی تعلیم توحید کے کسقدر منافی ہے۔ یہ بھی ہمیں علم ہے کہ آجکل عیسائیوں کے اندر خود ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو اس تعلیم کی کرختگی کو دُور کرنا چاہتا ہے جن کا خیال ہے کہ ابن آدم کے معنی سوائے بنی نوع کے اور کچھ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس تفسیر سے ایک حد تک "میری خاطر" کے جملے کی کرختگی اور بھدا پن دُور ہو جاتا ہے ان کا خیال ہے کہ حضرت مسیحؑ اصل میں مجسم انسانیت تھے یعنی بنی نوع میں جس قدر خوبیاں ہونی چاہییں

وہ یا تو ان کی ذات میں موجود تھیں یا انہی کی آپ تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں کا بیان ہے۔ کہ آخری عدالت والی تمثیل میں حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ جب راستباز آپ کو جواب میں کہینگے۔ کہ "اے خداوند ہم نے کب تجھے بھوکا دیکھ کر کھانا کھلایا پیاسا دیکھ کر پانی پلایا الخ" تو حضرت مسیح بحیثیت بادشاہ اور جج ہونے کے فرمائیں گے۔ کہ "چونکہ تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کیا اس لئے میرے ساتھ کیا" ممکن ہے کہ انجیل نویس نے آخری تبریک کا مضمون یسعیا باب ۵۱ آیت ۷ سے لیا ہو جہاں کہ حضرت یسعیا فرماتے ہیں "میری سنو اے تم سب جو صداقت شناس ہو اے لوگو جن کے دل میں میری شریعت ہے انسان کی ملامت سے مت ڈرو اور ان کی طعنہ زنی سے ہراساں نہ ہو"

پھر حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں "تم دنیا کے نور ہو جو شہر پہاڑ پر بسا ہو وہ چھپ نہیں سکتا اور چراغ جلا کر پیمانے کے اوپر نہیں بلکہ چراغدان پر رکھتے ہیں تو اس سے گھر کے سب لوگوں کو روشنی پہنچتی ہے اسی طرح تمہاری روشنی آدمیوں کے سامنے چمکے تاکہ وہ تمہارے نیک کاموں کو دیکھ کر تمہارے باپ کی جو آسمان پر ہے بڑائی کریں" اس آیت کے پہلے حصہ کے لئے ملاحظہ ہو یسعیا باب ۴۲ آیت ۶۔ جہاں بنی اسرائیل کو کہا جاتا ہے۔ کہ وہ دوسری قوموں کے لئے نور ہیں یا نور کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی اس کے ملاحظہ ہو یسعیا باب ۴۹ آیت ۶ و باب ۶۰ آیت ۳۔ اگر یسعیا باب ۴۲ آیت ۶ کی بعد کی آیتیں دیکھی جاویں تو ان سے معلوم ہو سکیگا کہ کس طرح اسرائیل دوسری قوموں کے لئے نور کا باعث ہوگا جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میں تجھے اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لئے تجھے دونگا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور بندھوؤں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قیدخانہ

سے چھڑا دے"۔ اس تعلیم کو حضرت مسیح کی تعلیم کے بالمقابل رکھکر دیکھا جاوے تو صاف نظر آئیگا کہ عہد عتیق اور انبیاء بنی اسرائیل کی تعلیم حضرت مسیح کی تعلیم سے کہیں بڑھ چڑھکر ہے۔ حضرت مسیح کی تعلیم میں ایک قسم کی نفسانیت اور انانیت کا شائبہ ضرور پایا جاتا ہے۔ مثلاً آپ کا "میرے میرے" بار بار کہنا اور ساتھ ہی یہ کہنا کہ "تمہارے نیک کاموں کو دنیا دیکھے" ایک قسم کا بیجا فکر اور تعلی پیدا کرنے والی تعلیم ہے اور حواری جن کے عملی نمونہ کو پیش کرتے ہوئے خود مسیحی لوگ بھی شرمسار ہیں خواہ نخواہ پُف ہوتے نظر آتے ہیں حالانکہ ان کی کمزوری ایمان اور ضعف اعتقادی حضرت مسیح خود کئی موقعوں پر دیکھ چکے تھے ٭

رہا یہ حصہ حضرت مسیح کی تعلیم کا کہ پہاڑ پر بنا ہوا گھر چھپ نہیں سکتا اور نیز یہ کہ چراغ جلا کر پیمانہ پر نہیں بلکہ چراغدان پر رکھا جاتا ہے تو اسکی نظیر بھی عہد عتیق میں موجود ہے ملاحظہ ہو یسعیاہ باب ۲ آیت ۲۔ جہاں خدا کا نبی کہتا ہے کہ "آخری دنوں میں ایسا ہوگا کہ خداوند کے گھر کا پہاڑ پہاڑوں کی چوٹی پر قائم کیا جائیگا اور ٹیلوں سے اونچا کیا جائیگا اور ساری قومیں اس کی طرف روانہ ہونگی"۔

اس کے بعد حضرت مسیح یوں گویا ہوتے ہیں کہ "یہ مت سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابیں منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا شوشہ توریت سے ہرگز نہیں ٹلیگا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑیگا اور یہی آدمیوں کو سکھلائیگا وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا لیکن جو ان پر عمل کریگا اور ان کی تعلیم دیگا وہ آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا"۔ اس کے لئے مختصر مگر جامع تعلیم ملاحظہ ہو استثنا باب ۴ آیت ۲ جس میں لکھا ہے کہ تم نہ اس میں کوئی لفظ بڑھا سکتے ہو اور نہ گھٹا سکتے ہو۔

اصل الفاظ ہیں "تم اس کلام میں جو میں تمہیں فرماتا ہوں کچھ زیادہ نہ کیجیو اور نہ اس میں کم کیجیو تاکہ تم خداوند اپنے خدا کے حکموں کو جو میں نے تم تک پہنچائے حفظ کرو۔"

پھر حضرت مسیحؑ کی وہ تعلیم شروع ہوتی ہے جس کو نہ صرف عیسائی بلکہ حضرت مسیحؑ خود بھی ایک طور پر توریت کی تعلیم سے اعلیٰ وارفع خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ متی باب ۵ آیت ۲۱ و ۲۲ قابل غور ہیں آپ فرماتے ہیں کہ "تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کر (خروج ۲۰ : ۱۳) اور جو کوئی خون کریگا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر (بلاوجہ) غصے ہوگا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو کوئی اپنے بھائی کو راقہ (یاگل) کہیگا وہ صدر عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو کوئی اس کو مورے (اے احمق) کہیگا وہ آگ کے جہنم کا سزاوار ہوگا۔" موجودہ تراجم میں متن کے اندر جملہ (بلاوجہ) نہیں یہ نظر ثانی شدہ اور حال کی ایڈیشن میں حاشیوں پر دیا ہوا ہے اس لئے فی الحال ہم اس بحث میں نہیں پڑتے اور نہ ہی فی الحال اس بحث میں بھی دخل دینا چاہتے ہیں کہ راقہ اور مورے کہنے میں یہ سزاؤں کا تفاوت کیوں ہے کیونکہ ایک کے لئے تو صرف صدر عدالت اور Sanhedrin کا کورٹ ہے۔ لیکن دوسرے کے لئے سزائے جہنم۔ ہم صرف اس امر کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ توریت نامکمل اور ناقص ہے۔ کیونکہ اس میں نفرت اور غصہ کا کوئی انسداد نہیں حالانکہ یہ مبادیات قتل میں سے ہیں۔ اگر یہ امر واقع میں ہوتا تو ہمارے نزدیک حضرت مسیحؑ دنیا کے بڑے محسنوں میں شمار ہوتے۔ کیونکہ آپ نے گناہ کی جڑھ کاٹنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اور ہمیں اس طرف متوجہ کیا ہے کہ ہمیں محض ظاہری اعمال اور ان کی خرابی کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیئے بلکہ اس کی جڑ کو لینا چاہئے

پس ہم دیکھینگے آیا یہ امر واقعی ہے۔ کہ توریت میں اس کے متعلق کچھ ہدایت نہیں۔ مگر اصل واقعہ یوں ہے کہ توریت کی تعلیم اس کے متعلق صاف اور بیّن ہے اور ہمیں حضرت مسیحؑ پر افسوس آتا ہے کہ ایسی صاف اور واضح تعلیم کے ہوتے ہوئے آپنے اس جرأت اور جسارت سے کیوں کام لیا۔ ملاحظہ ہو کتاب احبار باب ۱۹ آیت ۱۷ و ۱۸) "تو عیب جوؤں کی مانند اپنی قوم میں آیا جایا نہ کر۔ اور اپنے بھائی کے خون پر کمر نہ باندھ مَیں خداوند ہوں۔ تو اپنے بھائی سے بغض اپنے دل میں نہ رکھ تو البتہ اپنے بھائی کو نصیحت کر تاکہ تو اس کے سبب سے خطاکار نہ ٹھیرے تو اپنی قوم کے فرزندوں سے بدلا مت لے اور نہ ان کی طرف سے کینہ رکھ بلکہ تو اپنے بھائی کو اپنی مانند پیار کر۔ مَیں خداوند ہوں" افسوس کا اظہار ہمیں اس وجہ سے بھی کرنا پڑا کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح توریت کے عالم تھے اور انکو توریت اس وقت سے حفظ تھی جبکہ آپ محض لڑکے تھے۔ پھر آپ ایک ریفارمر کی حیثیت رکھتے تھے یا کم از کم مدعی تھے۔ آپکے شان کے بالکل خلاف بات تھی کہ آپ ایسے امر کا اظہار کرتے جو دُوراندیشی سے بعید ہونے پر محتمل ہو سکتی ہو۔ پیشتر اس کے کہ آپ ایسی جسارت سے کام فرماہوتے آپ کو اچھی طرح سے سوچ سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ عیب گیری سے پیشتر اس امر کا امتحان کر لینا ضروری ہے کہ عیب جوئی کہاں تک مبنی بہ حقیقت ہے۔ فصاحت و بلاغت اور قوت لہجہ بے شک اپنی جگہ سب مستحسن ہیں لیکن ضروری شرط یہ ہے کہ انصاف کو ہاتھ سے نہ دیا جاوے۔ توریت بغض و کینہ و حقد کی صاف طور پر مخالفت کرتی ہے لیکن حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ وہ دنیا کو نئی تعلیم دیتے ہیں۔ یہ بات تو یہاں تک ظاہر و باہر ہے کہ استثنا باب ۲۳ آیت ۷ میں اسرائیلیوں کو خاص طور پر تعلیم دی جاتی ہے۔ کہ وہ مصریوں سے نفرت نہ رکھیں باوجود اس امر کے کہ انہوں نے ان کو غلامی میں ایک عرصہ تک رکھے رکھا۔ بالآخر ہم ایک

نظیر زبور ۱۵ آیت ۳ سے دیکر اس معاملہ کو ختم کرتے ہیں۔ حضرت داؤد فرماتے ہیں "جو اپنی زبان سے چغلی نہیں کھاتا اور اپنے ہمسائے سے بدی نہیں کرتا اور اپنے پڑوسی پر عیب نہیں لگاتا ہے" خدا کے سایہ میں رہیگا ؛

ہمارے خیال میں حضرت مسیح نے بجائے پڑوسی اور ہمسائے کے بھائی کا لفظ رکھکر ایک طور پر مضمون کا دائرہ تنگ کر دیا ہے اور اپنی تعلیم کو محدود دائرے کے اندر کر دیا ہے لیکن اس وقت ہم اس پر بھی بحث نہیں کرتے۔ ہاں یہ کہنا بے محل نہ ہوگا۔ کہ حضرت مسیح کی تعلیم میں بنی نوع کی ہمدردی بالکل نہیں جو کچھ ہے اپنے شاگردوں تک ہی محدود ہے ؛

پیشتر اس کے کہ ہم دوسری آیت کو لیں اور مضمون کو چلائیں ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ ظاہر کر دیں کہ حضرت مسیح کا اپنا عملی نمونہ اور اسوہ کیا تھا۔ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بفرض محال حضرت مسیح نے بنی نوع کی ہمدردی کی تعلیم بھی دی ہو تو بھی یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان کا اپنا طرز سلوک کیا تھا۔ آیا آپ میں ارحم اور شفقت اور محبت ایسی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جس سے دوسرے کی منافرت اور غصہ خود بخود زائل ہو جائے۔ مگر معاملہ بالکل برعکس نظر آتا ہے اپنی ماں اور بھائیوں سے جو آپکا سلوک ہم مرقس باب ۳ آیت ۳۱ - ۳۵ میں پڑھتے ہیں اس سے تو ہمیں صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ فرزندیت کے بالکل لائق نہ تھے۔ جو رشد اور سعادت فرزند رشید میں ہونی چاہیئے اور اخوت اپنی بھائیوں کے ساتھ ہونی چاہیئے وہ آپ میں موجود نہ تھی۔ پھر اسی انجیل کے اسی باب آیت ۳ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ غصہ بے حد فرمایا کرتے تھے۔ اور بعض دفعہ سخت دشنام دہی سے بھی احتراز نہ فرماتے تھے۔ جس زبردستی اور تعدی سے آپنے ہیکل کو دوکانداروں سے خالی کروایا وہ بھی اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ یہ کہ آپکے کلمات بعض دفعہ بہت چبھنے والے اور دل آزار ہوتے تھے اسکا ثبوت انجیلوں کے پڑھنے والوں پر مخفی نہیں ؛

(باقی دارد)

عورتوں سے حسن سلوک کے متعلق

حضرت مسیح موعود کے ارشادات

مخالفین کی طرف سے اسلام پر جو اعتراض کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک بہت بڑا اعتراض یہ ہے۔ کہ اسلام میں عورتوں کے حقوق۔ جذبات اور احساسات کی کوئی پروا نہیں کی گئی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ عورتوں کے متعلق اسلام کی تعلیم جس قدر اعلیٰ اور اکمل ہے۔ اس کا مقابلہ دنیا کے کسی مذہب کی تعلیم نہیں کر سکتی ؛

اس کے ثبوت میں اس وقت میں اسلام کی تعلیم اور بانیٔ اسلام کا عملی نمونہ اور اقوال زریں پیش کرنے کی بجائے اُس مقدس انسان کے ارشادات میں سے چند ایک بیان کرنا چاہتا ہوں جو موجودہ زمانہ میں اسلام کی صحیح تعلیم دنیا میں قائم کرنے اور لوگوں کو اصلی اسلام پر چلانے کے لئے مبعوث ہوا اور جس کا نام نامی اور اسم گرامی حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے ؛

آپ نے جس وضاحت اور عمدگی کے ساتھ عورتوں سے حسن سلوک ان کے حقوق کی نگہداشت۔ ان کے جذبات و احساسات کی رعائت رکھنے کی اسلامی تعلیم کو پیش فرمایا ہے۔ اس سے پوری آگاہی تو آپکی تصانیف اور ملفوظات کے مطالعہ سے ہو سکتی ہے۔ اسوقت بطور نمونہ چند ایک باتیں پیش کرتا ہوں ؛

(۱) فرماتے ہیں۔ "جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔"[۵]

ان الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک عورت سے اور نہ صرف عورت سے بلکہ اسکی خاطر اسکے عزیز و اقارب سے حُسن سلوک کرنا بھی اس قدر ضروری ہے

[۵] البدر جلد ۴ نمبر ۲۱

کہ جب تک کوئی اس پر کاربند نہیں ہوتا۔ اس وقت تک آپ کی جماعت میں شامل ہی نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ اپنی جماعت میں شامل ہونا ہر ایک کے لئے آپ نے ضروری قرار دیا ہے۔ اور نجات پانے کے لئے اسے لازمی ٹھیرایا ہے ؂

(۲) فرماتے ہیں:۔ "ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے"۔

اس میں خاوند کو بیوی سے اور بیوی کو خاوند سے حسن سلوک اور عمدہ برتاؤ کرنے کی جس قدر تاکید فرمائی ہے۔ ظاہر ہے ؂

(۳) ارشاد ہوتا ہے:۔ "اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے۔ عاشروھن بالمعروف یعنی اپنی بیویوں سے تم ایسی معاشرت کرو۔ جس میں کوئی امر خلاف اخلاق معروفہ کے نہ ہو۔ اور کوئی وحشیانہ حالت نہ ہو۔ بلکہ ان کو اس مسافر خانہ میں اپنا دلی رفیق سمجھو۔ اور احسان کے ساتھ معاشرت کرو"۔

"انسان کی بیوی ایک مسکین اور ضعیف ہے۔ جسکو خدا نے اس کے حوالہ کر دیا۔ اور وہ دیکھتا ہے۔ کہ ہر ایک انسان اس سے کیا معاملہ کرتا ہے۔ نرمی برتنی چاہیئے اور ہر یک وقت دل میں یہ خیال کرنا چاہیئے۔ کہ میری بیوی ایک مہمان عزیز ہے۔ جسکو خدا نے میرے سپرد کیا ہے۔ اور وہ دیکھ رہا ہے۔ کہ میں کیونکر شرائط مہمانداری بجالاتا ہوں۔ میں ایک خدا کا بندہ ہوں اور یہ بھی ایک خدا کی بندی ہے۔ مجھے اس پر کونسی زیادتی ہے۔ خونخوار انسان نہیں بننا چاہیئے۔ بیویوں پر رحم کرنا چاہیئے۔ اور ان کو دین سکھلانا چاہیئے۔ درحقیقت میرا یہی عقیدہ ہے۔ کہ انسان کے اخلاق کے امتحان کا پہلا موقع اسکی بیوی ہے۔ میں جب کبھی اتفاقاً ایک ذرہ درشتی اپنی بیوی سے کروں۔ تو میرا بدن کانپ جاتا ہے۔ کہ ایک شخص کو خدا نے صدہا کوس سے میرے حوالہ کیا ہے۔ شاید معصیت ہوگی۔ کہ مجھ سے ایسا ہوا۔ تب میں ان کو کہتا ہوں۔ کہ تم اپنی نماز میں میرے لئے دعا کرو۔ کہ اگر یہ امر خلاف مرضی

؂ الحکم نمبر ۲۱ جلد ۸۔

حق تعالیٰ ہے۔ تو مجھے معاف فرما دیں۔ اور میں بہت ڈرتا ہوں۔ کہ ہم کسی ظالمانہ حرکت میں مبتلا نہ ہو جائیں"[1]

ان الفاظ میں ایسے موئثر اور دل نشین انداز سے عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ کہ ممکن نہیں کوئی سخت سے سخت انسان بھی پڑھے۔ اور اثر پذیر نہ ہو۔ اور پھر اپنے طرز عمل کا جو نمونہ پیش فرمایا ہے۔ وہ تو ایسا دل آویز ہے۔ کہ آپ کے اخلاق فاضلہ اور صفات حسنہ کا والا و شیدا بنا کر آپ کے نقش قدم پر چلنے کی بڑے زور سے تحریک کرتا ہے ؛

وہ مخالفین جو عورتوں کے بارے میں اسلامی تعلیم پر معترض ہوتے ہیں۔ ذرا غور سے حُسن سلوک کے اس نمونہ کو دیکھیں۔ کیا اس سے بڑھکر حسن معاشرت کی کوئی صورت ہو سکتی ہے ؛

(۴) وہ لوگ جو اپنی عورتوں کے ساتھ درشتی سے پیش آتے اور انہیں مارنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ان کی سخت مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"میرے نزدیک وہ شخص بزدل اور نامرد ہے۔ جو عورت کے مقابلہ میں کھڑا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک زندگی کا مطالعہ کرو۔ تا تمہیں معلوم ہو کہ آپ ایسے خلیق تھے۔ باوجودیکہ آپ بڑے بارُعب تھے۔ لیکن اگر کوئی ضعیفہ عورت بھی آپ کو کھڑا کرتی۔ تو آپ اس وقت تک کھڑے رہتے۔ جب تک کہ وہ اجازت نہ دے"[2]

(۵) پھر فرماتے ہیں :۔

"بعض لوگوں کا حال سنا جاتا ہے۔ کہ ان بیچاریوں کو پاؤں کی جوتی کی طرح جانتے ہیں۔ اور ذلیل ترین خدمات ان سے لیتے ہیں۔ گالیاں دیتے۔ حقارت کی نظر سے دیکھتے اور پردہ کے حکم کو ایسے ناجائز طریق سے کام میں لاتے ہیں۔ کہ گویا وہ زندہ درگور ہوتی ہیں۔ چاہیئے کہ عورتوں سے انسان کا دوستانہ طریق

[1] البدر جلد ۴ نمبر ۳ - [2] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ -

اور تعلق ہو۔ اصل میں انسان کے اخلاق اور خدا سے تعلق کی پہلی گواہی تو یہی عورتیں ہوتی ہیں۔ اگر ان سے اس کے تعلقات اچھے نہیں۔ تو پھر خدا سے کس طرح ممکن ہے۔ کہ صلح ہو"[1]

ان ارشادات میں عورتوں پر سختی کرنے والوں کے لئے کافی طور پر سرزنش کی گئی ہے۔ اور ان کے طرز عمل کو اخلاق حسنہ سے بہت دُور اور خدا تعالیٰ کے تعلق سے محروم کر دینے والا قرار دیا گیا ہے ؂

(۶) مرد کے لئے عورت سے کشیدگی اور ناراضی کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہو سکتی ہے۔ کہ وہ اس کے مذہبی خیالات سے اختلاف رکھتی ہو۔ اور جن اعتقادات کو وہ اپنی نجات کا موجب اور خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ یقین کرتا ہو۔ ان کو صحیح اور درست نہ سمجھتی ہو۔ اس صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ خاوند عورت کو اپنا ہمنوا بنانے میں سختی سے کام لینا بھی جائز سمجھے۔ اور عورت کو مجبور کر کے اپنا ہم عقیدہ بنانے کی کوشش کرے۔ حضرت مرزا صاحب اسکو سخت ناپسند کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"تم اپنی حالت کو ٹھیک کرو۔ اور ایسے ہو۔ کہ لوگ بے اختیار بول اُٹھیں۔ اب تم وہ نہیں رہے۔ جب یہ حالت ہوگی۔ تو تمہاری بیوی کیا کئی لوگ تمہارا مذہب قبول کر لینگے۔ حدیث میں آیا ہے خیرکم خیرکم لاھلہ۔ پس جب بیوی سے تمہارا اچھا سلوک ہوگا تو وہ خود بخود مجذوب ہو کر تمہاری مخالفت چھوڑ دیگی۔ اور دل سے جان لیگی۔ کہ یہ مذہب بہت ہی اچھا ہے۔ جس میں ایسے نرم و عمدہ سلوک کی ہدایت ہوتی ہے۔ پھر وہ خواہ مخواہ متابعت کریگی احسان تو ایسی چیز ہے۔ کہ اس سے ایک کتا بھی نادم ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ ایک انسان"[2]

(۷) بعض لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں۔ کہ خود ان میں خواہ ہزاروں عیب ہوں لیکن عورتوں کی معمولی معمولی کمزوریوں پہ حد سے زیادہ برافروختہ ہو جاتے

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ [2] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۸ -

ہیں۔ اور ان پر سخت تشدد کرنا شروع کردیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ ان کے متعلق فرماتے ہیں :-

"مرد اگر پارسا طبع نہ ہو۔ تو عورت کب صالح ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر مرد خود صالح بنے۔ تو عورت بھی صالح بن سکتی ہے۔ قول سے عورت کو نصیحت نہ دینی چاہیئے۔ بلکہ فعل سے اگر نصیحت دی جائے۔ تو اس کا اثر ہوتا ہے۔ عورت تو در کنار اور بھی کون ہے۔ جو صرف قول سے کسی کی مانتا ہے۔ اگر مرد کوئی کجی یا خامی اپنے اندر رکھے گا۔ تو عورت ہر وقت کی اس پر گواہ ہے۔ اگر وہ رشوت لیکر گھر آیا ہے۔ تو اس کی عورت کہیگی۔ کہ جب خاوند لایا ہے۔ تو میں کیوں حرام کہوں۔ غرضکہ مرد کا اثر عورت پر ضرور پڑتا ہے۔ اور وہ خود ہی اسے خبیث اور طیب بناتا ہے۔ اس لئے لکھا ہے الخبیثٰت للخبیثین و الطیبٰت للطیبین۔ اس میں یہی نصیحت ہے۔ کہ تم طیب بنو۔ ورنہ ہزاروں ٹکریں مارو کچھ نہ بنیگا۔ جو شخص خدا سے خود نہیں ڈرتا تو عورت اس سے کیسے ڈرے[۱]"

(۸) پھر فرماتے ہیں :-

"جس نے عورت کو صالح بنانا ہو۔ وہ آپ صالح بنے۔ ہماری جماعت کے لئے ضروری ہے۔ کہ اپنی پرہیز گاری کے لئے عورتوں کو پرہیز گاری سکھاویں۔ ورنہ وہ گنہگار ہونگے۔ اور جبکہ اسکی عورت سامنے ہو کر بتلا سکتی ہے۔ کہ تجھ میں فلاں فلاں عیب ہیں۔ تو پھر عورت خدا سے کیا ڈریگی[۲]"

ان ارشادات سے ظاہر ہے۔ کہ اگر مرد اپنی عورت کو صالح اور نیک بنانے کا متمنی ہے۔ تو بھی اسے حق نہیں ہے۔ کہ سختی اور درشتی اختیار کرے بلکہ اسے چاہیئے۔ کہ عورت پر اپنا صالح اور نیک ہونا ثابت کرے۔ اور عورت کی اصلاح کرنے سے قبل اپنی پوری پوری اصلاح کرے +

[۱] البدر جلد ۲ نمبر ۱۰۔ [۲] البدر جلد ۲ نمبر ۱۰۔

(۹) اپنی جماعت کے لوگوں کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں :-

"ہماری جماعت کو چاہیئے۔ کہ کوئی امتیازی بات بھی دکھائے۔ اگر کوئی شخص بیعت کرکے جاتا ہے۔ اور کوئی امتیازی بات نہیں دکھاتا۔ اپنی بیوی کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتا ہے۔ جیسا پہلے تھا۔ اور اپنے عیال و اطفال سے پہلے کی طرح ہی پیش آتا ہے۔ تو یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اگر بیعت کے بعد بھی بدخلقی بدسلوکی رہی۔ اور وہی حال رہا۔ جو پہلے تھا۔ تو پھر بیعت کرنے کا کیا فائدہ ہے[1]"

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے ان چند ایک ارشادات سے وضاحت کے ساتھ ظاہر ہے۔ کہ عورتوں کے ساتھ حُسن سلوک کرنے کے متعلق اسلام کی تعلیم کیسی اعلیٰ اور کس قدر پُر حکمت ہے ؎

اس مضمون کو ختم کرنے سے قبل مَیں اپنی جماعت سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ جس جماعت کے مقدّس ہادی اور راہ نما کے یہ ارشادات ہیں۔ اور جس کے سامنے اس کا ایسا اسوہ حسنہ موجود ہے۔ کیا اس کے افراد کا اپنی عورتوں سے سلوک اس کے مطابق ہے۔ اگر ہے۔ تو مبارک ہو۔ اور اگر کسی کا طرز عمل اس کے مطابق نہیں۔ تو اس کے لئے سخت خطرہ کا مقام ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس شخص کو اپنی جماعت میں داخل نہیں قرار دیا۔ جو اپنی اہلیہ سے حُسن معاشرت کا سلوک نہیں کرتا ؎

غلام نبی بلانوی

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۴

ایک آریہ معترض

(سیدنا حضرت ابراہیمؑ کا آگ میں ڈالا جانا)

"قرآن (شریف) میں لکھا ہے کہ (حضرت) ابراہیمؑ کو کافروں نے بھڑکتی ہوئی اگنی میں ڈالدیا۔ مگر اللہ میاں کے حکم سے آگ فوراً ٹھنڈی ہوگئی اور (حضرت) ابراہیمؑ جی بغیر کسی پیڑا (گزند) کے اگنی کی چتا سے صحیح وسلامت نکل آئے۔ بتلائیے کیا یہ بات ممکن ہے کہ ایک شخص آگ میں ڈالا جائے اور پھر بغیر جلے صاف نکل آئے۔ کیا کوئی عقلمند اور بُدھی مان پُرش اس بات کو صحیح سمجھ سکتا ہے۔"

معترض نے جس واقع کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں ہرگز ہرگز کسی قسم کا محال عقلی نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم فرماتا ہے قالوا حرّقوہ وانصروا الھتکم ان کنتم فاعلین۔ قلنا یا نار کونی بردًا وّسلامًا علیٰ ابراھیم ۔ ترجمہ۔ مخالفین نے کہا کہ سیدنا ابراہیمؑ کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی امداد کرو۔ اگر کچھ کرنا ہے۔ مگر ہم نے آگ کو کہا کہ اے آگ تُو ابراہیم پر سلامتی ہوجا۔ (پارہ ۲۳۔ صافات)

دوسری جگہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ فما کان جواب قومہٖ الّا اَنْ قَالُوا اقتلوہُ او حرّقوہُ فانجاہ اللّٰہ من النار۔ (پ۲۰ عنکبوت) (ترجمہ) اُس کی قوم کا یہی جواب تھا کہ اِسے مار ڈالو یا جلا دو مگر اللہ نے اُسے آگ سے نجات دی۔"

اِن آیات میں یہ کہاں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو واقعی کفار نے اگنی کی چتا میں ڈالدیا مگر وہ بغیر کسی گزند اور پیڑا کے صاف بچ گئے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر واقعی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخالفین و معاندین اگنی کی

دھکتی ہوئی چتا میں ڈال بھی دیتے تو کیا اللہ تعالیٰ کو اتنی قدرت نہ تھی کہ وہ اپنے پیارے کا ایک بال بھی بیکانہ ہونے دیتا۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو سرب شکتی مان کس طرح ہوا اگر وہ قادر مطلق ہے تو پھر وہ آگ کے جلانے کی خاصیت کو بھی بدل سکتا ہے۔ مگر وقت واقع یہ ہوئی ہے کہ سماج یونہی طور پر صرف دکھلاوے کے لئے قادر مطلق مانتے ہیں ورنہ سوامی دیانند صاحب مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق نہیں ہے کیونکہ وہ لکھتے ہیں :۔

"جو قدرتی اصول ہیں مثلاً آگ گرم۔ پانی ٹھنڈا۔ اور مٹی وغیرہ تمام غیر ذی شعور ہیں۔ انکی طبعی صفت کو پرمیشور بھی پلٹ نہیں سکتا"

(ستیارتھ پرکاش) مگر ہم آریہ صاحبان کی توجہ سوامی دیانند صاحب سے بھی کہیں بڑے اور مستند مہارشی کا قول اس مضمون کے متعلق درج کرتے ہیں۔ کین اپنشد کے مصنف مہارشی ایک لطیف استعارہ کے رنگ میں اس اصل حقیقت کو آشکار کرتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ "دیکش یعنی ایشور واقعی اس بات پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے کہ وہ وہ آگ ہوا پانی وغیرہ کا طبعی خاصہ بدل ڈالے"

"دیوتاؤں نے اگنی کو کہا کہ اے جات ویدس اگنی! تم پتہ لگاؤ کہ یہ "دیکش" کون ہے۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ اگنی دوڑ کر اسکے "دیکش" کے پاس گیا دیکش نے اس سے پوچھا۔ تو کون ہے۔ (اگنی نے جواب دیا) میں اگنی ہوں میں جات ویدس ہوں"

"دیکش" نے پوچھا تم میں کیا شکتی ہے (اگنی نے جواب دیا) میں اس تمام (جگت) کو جلا سکتا ہوں"

"دیکش" نے اسکے (آگ کے) آگے ایک سوکھا تنکا رکھا۔ کہ اسے جلا دے۔ (مگر) اس نے اپنا سارا زور مارا پھر وہ (اگنی) اس (تنکے) کو قطعاً نہ جلا سکا

اور واپس لوٹ کر دیوتاؤں سے کہا کہ میں اُس کو نہیں جان سکا۔"

اس کے بعد ہوا کی باری آئی ہوا نے بھی یکش کے سامنے آگ کی طرح دعویٰ کیا کہ میں تمام چیزوں کو اُڑا سکتا ہوں مگر جب "یکش" نے وہی تنکا اُس کے آگے رکھا کہ اسے اُڑا دے۔ تو اس نے بھی اپنی ساری قوت صرف کر دی مگر اُس سوکھے تنکے کو اُڑا نہ سکا۔ اس طرح اور بھی گئے مگر ناکام رہے۔"

مہرشی اس استعارہ کو لکھ کر بتلاتے ہیں کہ آگ ہوا پانی وغیرہ کی کیا طاقت ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ارادہ کے بغیر اپنے بل اور طاقت کے گھمنڈ پر کچھ کر سکیں۔ پس جب بقول مہرشی جی آگ ایک سوکھے تنکے کو نہ جلا سکی تو کیا خدا کے کسی پیارے کو یہ (آگ) جلا سکتی ہے۔ پس یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ جس خدا نے آگ میں گرمی اور حرارت پیدا کی ہے وہ ایک وقت اس خاصہ کو واپس بھی لے سکتا ہے! اور مادی آگ کی طاقت نہیں کہ خدائی حکم سے رُوگردان ہو سکے۔ دُور جانے کی کیا ضرورت ہے خود پنڈت لیکھرام لکھتا ہے کہ "سیتا کو ثبوت عصمت کیلئے آگ میں گرنا پڑا۔ اُس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جس عورت پر زنا کا الزام لگایا جاتا تھا۔ اُسکو اپنی عصمت ثابت کرنے کے لئے جلتے کوئلوں اور لوہے کے توے پر ننگے پاؤں چلنا پڑتا تھا۔ اگر عورت کو اس آزمائش سے کچھ ایذا نہ پہنچتی تھی تو وہ بیگناہ سمجھی جاتی تھی۔ ورنہ آگ میں جل کر اپنی بدکرداری کی سزا پاتی تھی۔" (کلیات آریہ مسافر صـ ۱۵۴)

معترض کو قرآن کریم کی ایک واضح اور صاف بات تو خلاف عقل معلوم ہوئی۔ مگر اپنے بزرگوں کے اقوال اور بچنوں کے متعلق کوئی شبہ پیدا نہ ہوا۔ سیدنا ابراہیمؑ کے متعلق تو صرف اتنی ہی بات تھی کہ انہیں لوگوں نے آگ میں "ڈالنا چاہا" مگر یہاں تو "ڈالدیا" ثابت ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں سمرتی کار بھی دواقعاتِ دھرم شاستر اس قسم کے ایک دستور کا حکم دیتے ہیں۔

پُرش سومیہ ہست گرہیتم آنینتی اپہار شیت ستیم اکار شپت۔

(۲) پرشم سمیٔ تپت اِتی۔ سایدی تسیہ کرتا بھوتی تت ایو انرِتم آتمانم کُرُوتے۔ انرِتیئن آتمانم انتر دہائے پرشو تپتم پرتی گرہناتی سادہیتے اہتہ ہنیتے۔

اہتہ یدی تسیہ اکرتا بھوتی۔ تت ایو ستیہ آتمانم کرُوتے ستیئن

(ب) آتمانم انتر دہائے۔ پرشم تپتم پرتی گرہناتی۔ سانہ دہیتے اہتہ مُچیتیے"

ترجمہ (۱)۔ جو شخص چوری کرتا ہو اُس کو عدالت میں بُلا کر اُسکے ہاتھ میں اگنی سروپ پرتپت کُھٹار (آگ میں سُرخ کیا اور تپایا ہوا لوہا) دینا چاہیئے۔ اگر اُس نے چوری کی ہے تو اُس کا ہاتھ جل جاویگا۔ جلنے پر اُسے قتل کی سزا ملنی چاہیئے۔

ترجمہ (ب)۔ اور اگر اُس نے چوری نہیں کی تو سچائی کی طاقت سے جب وہ ہاتھ میں تپت پرشو (آگ میں تپایا ہوا لوہا) لے گا تو اُس کا ہاتھ نہیں جلے گا۔ نہ جلنے پر اُس کو چھوڑ دیا جائیگا"

پنڈت اِکھلا نند جی کوی رتن۔ لکھتے ہیں کہ "سچائی۔ سے آگ بھی ڈرتی ہے اس لئے ایک باعصمت عورت سے لڑکے کو آگ نہ جلا سکی۔ یہ مشہور بات ہے"

شری منو جی مہاراج فرماتے ہیں کہ "جسکو آگ نہ جلائے۔ یا پانی نہ ڈبا دے۔ یا جو جلدی دُکھ نہ پائے۔ اُس کو قسم میں پاک جاننا چاہیئے" (منو)

صادق اور کذّاب انسان کے پرکھنے کے لئے فرماتے ہیں کہ انہیں آگ وغیرہ میں ڈالا جائے جو آگ وغیرہ کے گزند سے مصئون رہے اُسے پاک اور صادق سمجھا جائے اس کے بعد ایک مثال بھی دیتے ہیں کہ:۔

"اگلے زمانہ میں وتس رشی کے چھوٹے بھائی نے اُنکو عیب لگایا اور وتس رشی نے اپنی صفائی کے واسطے آگ کو اُٹھایا لیکن ...... اگنی نے رشی کا ایک بال بھی نہ جلایا"

(منو دھرم شاستر ادھیائے ۸ شلوک ۱۱۵ و ۱۱۶)

ممکن ہے کہ آریہ سماج کے ماننے والے کے دل میں پھر بھی یہ گنجائش اعتراض رہے کہ گو اس کے بزرگوں نے یہ لکھدیا ہے تاہم اس کی ذاتی تسلّی نہیں ہوتی اور پچھلے قصے اسکے اس زمانے میں کام نہیں آسکتے تو ہم اسکو نہ صرف اسلامی تعلیم کی سچائی کا یقین دلانے کے لئے بلکہ اسکے بزرگوں پر اسلامی احسان کا اظہار کرنے کے لئے اس امر کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اسکے اسلاف بھی انہی کہانیوں سطرح لکھتے چلے گئے ہوں جس طرح کہ وہ سُنتے چلے آئے گو آریہ سماج کے موجودہ ماننے والوں کی مانند ان کے دلوں میں بھی یہ غبار اور تاریکی بھری ہوئی ہو وجہ یہ ہے کہ اس قسم کی رسوم اور اعتقادات پرانے غیر تمدنی زمانوں میں بھی پائے جاتے ہیں چنانچہ جن لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہوگا ان کو علم ہوگا کہ trial by Ordeal جو غیر وحشی اقوام کی تاریخوں میں ملتا ہے اس کی بنا بھی اس امر پر بھی تھی۔ کہ جو سچا ہوتا ہے وہ اس قسم کے امتحان آگ پانی سے پاس ہوکر نکلتا ہے لیکن یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ یہ رسمیں اسوقت بالکل بے حقیقت ہو چکی تھیں اور یہ ایک بیہودہ خیال تھا کہ عام طور پر دنیاوی معاملات میں جھوٹے سچے کی پہچان اس طور پر ہو سکتی تھی اسی لئے جوں جوں روشنی اور علمی ترقی کا زمانہ آتا گیا یہ امتحانات بھی مفقود ہونے شروع ہو گئے۔ ابھی تک یورپ کے بعض حصص میں اس وحشیانہ حالات کا کچھ بقیہ چلا آتا ہے اور وہ طریق duel ہے جس میں آدمی پستول یا تلوار یا کسی اور چیز سے آپس میں کسی متنازعہ فیہ امر کا فیصلہ کر لیتے ہیں گو اس کے بیہودہ ہونے میں کوئی شک نہیں تاہم اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اسکی تہ کے اندر ایک حقیقت ہے جس کو لوگوں نے سمجھا نہیں اور اس کو کچھ کا کچھ بنا دیا۔ وہ وہی ہے جس کو اللہ کے رسولؐ اور اس زمانہ کے مُرسل اور نبیؑ نے آکر واضح کردیا۔ وہ یہ کہ دشمن نے ناخنوں تک زور لگایا۔ دشمنی اور عداوت کی آگ بہت بھڑکی۔ مقدمات چلائے گئے۔ خون کے مقدمات کھڑے کیئے گئے۔ آپ کی جان پر عزت و

آبرو پر حملے کیئے گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو محفوظ رکھا۔ آپؑ نے دعوے سے کہا کہ اگر کسی کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آگ سے بچ جانے کے واقعہ پر شک ہو تو بے شک اسی طرح معاندانہ آپؑ کو اور آپؑ کے گھر کو جلانے کی کوشش کر دیکھے۔ وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا اور آپؑ کو اللہ تعالیٰ ضرور اس آگ سے محفوظ رکھے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہی حال آپؑ کے سچے جانشینوں کا ہے۔ لیکھرام نے مقابل پر کھڑے ہو کر دیکھ لیا کہ کس طرح آگ اُلٹ کر دشمن پر جا پڑتی ہے۔ پس یہ ہے وہ سچائی جس کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ظاہر کرنا چاہا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاراد وابہ کیدا فجعلناھم الاخسرین یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مخالفین نے اپنی تدابیر سے مٹانا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام تدابیر کا ملیامیٹ کر دیا ہے اور وہ سخت گھاٹا پانے والوں میں سے ہو گئے۔

فضل حسین مہاجر۔ قادیان دارالامان

ریویوز

اخویم محمد فخرالدین ملتانی سے کتب ذیل بقیمت مندرجہ ذیل پر مل سکتی ہیں:

اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ذکر الٰہی۔ تبدیلیٔ عقائد سب بلا جلد۔

کتابت چھپائی اور کاغذ سب اعلیٰ درجہ کا۔ ذکر الٰہی تو چھوٹی سے چھوٹی جیب کے سائز کی ہے۔ اسلامی اصول کی فلاسفی بڑی جیبی سائز۔ جس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا اشتہار اور انگریزی اخبار کی رائے بھی ساتھ ساتھ درج کر دی گئی ہے۔ تبدیلیٔ عقائد عام ٹریکٹ سائز کا ہے۔

خیر و برکت۔ ایک چھوٹا سا رسالہ مشتمل بہ پند و نصائح۔ حکیم محمد حسین قریشی موجد مفرح عنبری لاہور سے ۲ر پر مل سکتا ہے۔

نوٹ اور رائیں

اس وقت جو حالت مغربی تہذیب کے دلدادوں کی ہے اس کا اندازہ لارڈ رونڈلا کے ان مشہور اقوال سے ہو سکتا ہے وہ کہا کرتا تھا کہ "کیرکٹر کی نسبت شہرت اچھی چیز ہے" یا "جس امر کا لوگوں کو اچھی طرح علم ہو اس کا اقرار کرو اور اس کو اچھی طرح شہرت دو" غالباً اس نے پرنس بسمارک کا یہ قول پڑھا ہوا تھا "سب سے اچھا طریق لوگوں کو دھوکا دینے اور دھوکے میں رکھنے کا یہ ہے کہ سچ بولو۔ پھر کبھی لوگ اعتبار نہیں کرینگے کہ یہ بات سچ ہے" مشرق کی بدتہذیبی غالباً اسی وجہ سے ہے کہ یہاں جھوٹ کا اعتبار نہیں اور مغرب میں سچ کا اعتبار نہیں کہ وہاں جھوٹ کا دَوْر دَوْرَہ ہے۔ یہ ہے مادیت کی تعلیم کا اثر ؛

کتاب پیدائش باب ۱۔ آیت ۲۵ میں لکھا ہے کہ خدا نے تمام جانوروں کے پیدا کرنے کے بعد انسان کو پیدا کیا۔ لیکن اسی کتاب کے باب ۲ آیت ۱۹ میں لکھا ہے کہ انسان کی پیدائش کے بعد جانوروں کو پیدا کیا۔ کونسی بات صحیح ہے ؛

مسیح کہتا ہے کہ تم اپنے خزانے زمین پر جمع نہ کرو۔ لیکن تمام مسیحی بینکوں میں روپیہ جمع کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یا تو مسیحی مسیحی نہیں یا جناب مسیح کی تعلیم ناقابل عمل ہے۔ غالباً دوسری بات ہی صحیح ہے کیونکہ حضرت مسیح کی کئی ایک دوسری تعلیمیں بھی ایسی ہی ناقابل عمل ہیں۔ مثلاً جو تمہاری ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسری بھی پھیر دو۔ جو کوٹ لے اسکو پاجامہ بھی اُتار دو وغیرہ وغیرہ .... مسیح پرست یورپ کے افعال شاہد ہیں ؛

مسیحی مذہب قانون قدرت کے مطابق نہیں حالانکہ وہ خدا کی فعلی شہادت ہے۔ قانون قدرت صرف جسمانی طور پر انسان کو ایک وقت معینہ کیلئے مارتا ہے لیکن مسیحی مذہب دائمی اور ابد الآباد کا جہنم منکرین کے لئے سناتا ہے ؛

اگر حضرت مسیحؑ واقعی خدا یا خدا کے بیٹے تھے اور ان کو معلوم تھا کہ انہوں نے مرجانا ہے اور لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے مصلوب ہو جانا ہے اور آپکی وفات کے بعد بھی لوگوں کے لئے یہ ماننا ضروری تھا کہ کم از کم آپ کی تعلیم حاصل کر کے اس پر لوگ کاربند ہو کر نجات حاصل کر سکتے یا کم از کم آپکو پا سکتے ہیں۔ تو پھر آپ حکم دیتے کہ آپ کی تعلیم کو قلمبند کر لیا جاتا۔ لیکن ایسا کوئی حکم آپ کا نہیں ملتا۔ اور نہ انجیلوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکی زندگی میں کوئی لکھا کرتا تھا یا کم از کم آپ خود ہی لکھوا دیا کرتے تھے۔ تو پھر نئے عہدنامہ کو ہم کس طرح مان لیں"

نئے عہدنامہ کی مختلف کتب مختلف حالات اور مختلف زمانوں میں حضرت مسیحؑ کی زندگی سے بہت لمبا عرصہ بعد لکھی گئیں اور اس وقت لکھنے والوں کو قطعاً یہ خیال بھی نہ تھا کہ وہ انکو الہامی کتاب کے طور پر لکھ رہے ہیں مختلف ضرورتوں نے لوگوں کو مجبور کیا اس لئے ہر ایک نے اپنے اپنے رنگ و خیال کے ماتحت یہ کتابیں لکھیں۔ کیوں بعض کو چھوڑ دیا گیا اور بعض کو اختیار کر لیا گیا ہماری سمجھ میں تو اب تک نہیں آیا ؛

ازمنہ ماضیہ کے مسیحیوں کو ہرگز یہ وہم بھی نہ تھا کہ نئے عہدنامہ کی کتابیں الہامی ہیں۔ وسٹکوٹ (Westcott) کہتا ہے کہ "الہام کا خیال مابعد میں پیدا ہوا"۔ "پہلے پہل جن لوگوں نے ان کو الہامی کتاب کہا اور کتب مقدسہ میں ان کو شمار کیا اس کو عام عیسائی ملحدین کے لقب سے یاد کرتے تھے"۔ اس مصنف کا خیال ہے کہ "پولوس کی بعض چٹھیاں اور خطاب نہیں ملتے۔ بعض کتابیں جو اس وقت بائیبل میں شامل ہیں وہ کسی زمانے میں جعلی سمجھی جاتی تھیں۔ مثلاً یعقوب کا عام خط۔ یوحنا عارف کا مکاشفہ۔ یہوداہ کا عام خط۔ یوحنا کا دوسرا اور تیسرا خط۔ پطرس کا دوسرا خط۔ برخلاف اسکے

کئی ایک کتابیں پہلے الہامی سمجھی جاتی تھیں لیکن اب نہیں - مثلاً ہرمس کا گڈریا - برنباس کا خط - سینٹ کلیمنٹ کے خطوط - ایک ہزار سال تک - خط بنام لوڈیسی انیز بائیبل کا حصہ رہا ہے لیکن اب نہیں - تیرہ سو سال تک مشرقی کلیسیا مکاشفات کو غیر الہامی مانتی رہی - قریباً پچاس انجیلیں - بائیس اعمال کی کتابیں اور مکاشفات مسترد کر دیئے گئے - اب بھی رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹوں کے درمیان سات کتابوں پر تنازع ہے ایک فریق مانتا ہے دوسرا انکار کرتا ہے ٭

جیون تت کہتا ہے کہ خدا بڑا بے رحم ہے اس لئے کہ چین میں زلزلہ آیا اور دو لاکھ آدمی مر گئے۔ ہم کہتے ہیں کہ تمہاری نیچر اندھی اور اس کے قوانین اندھا دھند۔ جو جواب تمہارا وہی ہمارا - اگر محض مر جانا اور اس طرح مار دینا ہی بے رحمی ہے تو پھر یہ قانون قدرت ہے - انسان کے اپنے اختیار میں ہے کہ قانون قدرت سے بچاؤ کے لئے اپنا بندوبست آپ کرے - کیا جاپان اور اٹلی میں زلزلے نہیں آتے مگر وہ لوگ انتظام کر لیتے ہیں - خدا بے رحم نہیں انسان بیوقوف ہے پھر جیون تت بتلائے کہ اگر ایسی بیوقوفی انسان سے سرزد نہ ہو تو دوسرا دانا کیسے سمجھا جاوے - یا رحم - ہمدردی شفقت - محبت - نرم دلی پاکیزگی کی جو خصلتیں ہیں وہ انسان کے اندر کیسے نشو و نما پائیں - دوسرے صبر و استقلال تحمل و بردباری - وغیرہ کا سبق کہاں سے حاصل ہو - سوال تو یہ ہے کہ موت و فوت ضروری ہے یا نہیں اگر ضروری ہے تو پھر موت خواہ کسی طرح سہی - اگر یہ موت و فوت کا سوال قانون قدرت میں نہ ہوتا تو غالباً جیون تت کی باری بھی نہ آتی - درخت تمام پھلوں سے لد کر ٹوٹ جائے زمین پر انسان انسان ہی اس قدر ہو جاتے کہ کسی اور چیز کے لئے جگہ نہ رہتی - یہ تفاوت و تفریق موت و فنا ایک عین رحم ہے ٭

ڈاکٹر ہنز۔ لے ہنسن (Dr. Hensley Henson) بشپ آف ڈرہم کہتا ہے کہ "ممانعت شراب مسیحی روایت والہام کے خلاف اور حضرت مسیحؑ کی تعلیم و عمل دونوں اس کے مخالف ہیں" اس کا جواب بشپ جے۔ ای۔ اوبن سن ڈی ڈی۔ جو انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن اور ایتھکس کے ایڈیٹر ہیں اور جو ڈکشنری او بائیبل اور ڈکشنری آف کرائیسٹ اور انا جیل کے مصنف اور مسیحیت کے مشہور و معروف حامی و عالم ہیں۔ یہ دیتے ہیں کہ ایک وقت تھا کہ پادری صاحبان کی طرف سے متفقہ طور پر آواز اُٹھائی گئی تھی کہ غلامی کی ممانعت حضرت مسیح کی تعلیم و عمل ہر دو کے مخالف ہے۔ چہ خوب یک نہ شد دو شد۔ وجہ یہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کا یہ مسلک ہی نہ تھا کہ وہ ہر معاملہ میں اپنا حکم دیتے کہ یہ کرو یا یہ نہ کرو۔ اس قسم کا محال کام اگر کسی نے کرنے کی کوشش کی ہے تو وہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہی ہیں" واقعی جادو وہ ہے جو سر پر چڑھ کر بولے *

آپ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ نے ایک کلید ہمیں بتلا دی ہے کہ تو اپنے پڑوسی سے ایسا ہی پیار کر جیسا کہ اپنے آپ سے۔ گو یہ نئی تعلیم نہیں۔ حضرت مسیحؑ سے صدیوں پہلے یہی تعلیم یہود کو دی گئی تھی۔ (یہود سے پہلے کنفیوشش نے دی تاریخ اس پر شاہد ہے اور بجائے خود یہ ایک غیر مکمل تعلیم ہے) اسی تعلیم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حضرت مسیحؑ نے ہمدردی سے کام لیا وہ اس طرح پر کہ آپ ایک شادی کے موقع پر حاضر تھے شراب ختم ہو گئی۔ اب یہ دولھا کے لئے بڑی مصیبت کا وقت تھا جناب حضرت مسیح نے کمال ہمدردی سے پانی کو شراب بنایا۔ مگر سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ حضرت مسیحؑ نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ وہ بجائے شراب کے پانی پئیں۔ تو جناب پادری صاحب اس کا جواب دیتے ہیں کہ

پینے کا پانی موجود نہ تھا اور جو موجود تھا وہ صرف ہاتھ منہ دھونے یا طہارت کرنے کے لئے تھا۔ اس ملک میں پینے کا پانی باآسانی میسر نہیں آسکتا تھا اس لئے اکثر لوگ مے پیتے تھے۔ کیا ہی عجیب توجیہہ ہے کہ اس ملک میں پینے کا پانی دستیاب ہونا مشکل تھا۔ جہاں استعمال کیلئے عام پانی موجود تھا اور ہے۔ مگر غالباً اب تو اس ملک کے دیکھنے میں کوئی مشکلات نہیں ہیں۔ کیونکہ اب تو وہ سلطنت انگلشیہ کی عملداری میں ہے۔ اور نئے دریا اور نہریں مسلمانوں نے وہاں بدقسمتی سے نہیں بنائیں۔ پادری صاحب خود دیکھ سکتے ہیں آیا پینے کا پانی وہاں دستیاب ہو سکتا ہے یا نہیں۔ پھر تعجب ہے کہ حضرت مسیحؑ اگر اس پانی کو شراب بنا سکتے تھے تو کونسا اس کے اچھا پانی یا شربت وغیرہ بنانے میں کونسا امر مانع تھا جو اس نجس صورت میں آپ نے اس کو تبدیل کر دیا۔ بات اصل میں وہی ٹھیک ہے جو پادری صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح میں اخلاقی جرأت نہ تھی۔ ورنہ ان لوگوں کو وعظ کرنا کونسا مشکل تھا۔ پولوس میں تو اس قدر جرأت ہو کہ حلال کو بھی حرام کر دے مگر حضرت مسیحؑ میں اتنی جرأت نہیں کہ حرام کو حرام کہہ سکیں۔ ہاں حرام کو حلال انہوں نے ضرور کر دیا۔ عذر گناہ بدتر از گناہ ؞

امریکہ کا ایک اخبار حضرت مفتی محمد صادق امریکن مشنری کے متعلق لکھتا ہے:

"بڑی بڑی اعلیٰ گھرانوں کی عورتیں ۲۶۰۷ ایم سٹریٹ میں ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب کی زیارت کرنے کے لئے جا رہی ہیں۔ کیوں یہ عورتیں یوں کشاں کشاں جا رہی ہیں ہم نہیں کہہ سکتے۔ ممکن ہے آپ کے سبز عمامہ میں کوئی مخفی کشش ہے۔ ممکن ہے آپ سے وہ روحانیت کا سبق حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ ممکن ہے ان کو خیال ہو کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے پاس کوئی خفیہ علوم ہیں جنکو حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ بہرحال امر واقعہ یہ ہے کہ کثرت سے بیش بہا موٹروں

میں سوار ان خاندانی عورتوں کے جھنڈ اس غریب اور غیر معروف مکان میں آرہے ہیں جس میں مفتی صاحب موصوف بطور مہمان کے ٹھیرے ہوئے ہیں۔ بعض کی ملاقات تو گھنٹوں تک جاری رہتی ہے۔ آپکی شخصیت اور کشش واقعی ایسی ہیں کہ آپسے شناسائی ضروری ہے۔ تمام وہ اشخاص جنکو آپسے ملنے کا اتفاق ہوا ہے اس رائے کا اظہار فرماتے ہیں۔ یہ بھی سنا جاتا ہے کہ آپ اسلام کے متعلق لوگوں کو کتابیں اور رسالے پڑھنے کے لئے دیتے ہیں۔ اور جو آپسے ملنے جاتا ہے وہ واپسی کے وقت اس قسم کے لٹریچر سے لدا آتا ہے جس کی تبلیغ کے لئے آپ امریکہ تشریف فرما ہوئے ہیں۔‘‘ .. ..

...... آپ ملاقاتیوں کو ۴ سے ۸ بجے شام تک ملتے ہیں ؎

ڈاکٹر زویمر نے ایک لیکچر کے دوران میں کہا کہ عیسائی امریکہ میں جو قومی فساد سٹرائیکس وغیرہ ہوتی ہیں ان کا مسلم ممالک پر بہت برا اثر ہو رہا ہے۔ اصل میں پادری صاحب کا منشاء ہے کہ عیسائی ممالک کی اندرونی حالت کا علم بیرونی ممالک والوں کو نہ ہونا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ عیسائیت کی اصلیت لوگوں پر کھل جائے۔‘‘

ڈی ٹرائیٹ جرنل بابت ۲۲ ستمبر ۱۹۲۱ء میں حضرت یونس کے مچھلی کے پیٹ میں تین دن رہنے کی دو توجیہیں کی گئی ہیں۔ (۱) کہ یہ کہانی محض تمثیل کے طور پر ہے اس کا منشاء ہے کہ بنی اسرائیل کو اہل بابل ہڑپ کر جائیں گے۔

(۲) دوسری توجیہہ یہ ہے کہ حضرت یونس ؑ تختہ جہاز سے سمندر میں پھینک دیئے گئے آپ ڈوب گئے اور تہ میں جو جنگلی پودے وغیرہ اُگے ہوئے تھے ان میں پھنس گئے پھر لہر کے تھپیڑوں نے تین دن کے بعد آپ کو ان سے چھڑا کر کنارے پر پھینکدیا۔ اوّل تو معلوم نہیں کہ واقعہ کو تمثیل کس قرینہ صارفہ سے بنالیا گیا۔ اور اگر یہ محض

تمثیل ہی تمثیل ہے تو حضرت مسیحؑ کا اپنے آپ کو حضرت یونسؑ کے مچھلی کے پیٹ میں تین دن رہنے سے تشبیہ دینے سے کیا مراد ہے اگر وہ بےحقیقت ہے تو یہ بھی بےحقیقت اور مسیحیوں کا ایمان عبث۔ ملاحظہ ہو پولوس ٭

مشنریوں کی جنرل کانفرنس جو امریکہ میں منعقد ہوئی اس میں اسلامی سوال پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر زویمر مشہور پادری نے اس امر کا اعتراف کیا کہ اگر کسی مذہب سے عیسائیت نے شکست کھائی ہے تو وہ اسلام ہے۔

Eve Transcript Bostam. August. 3. 1921

امریکہ کے تمام گرجاؤں کے پادریوں نے ایک جلسہ میں جمع ہو کر ریزولیوشن پاس کیا کہ امریکہ کے پریذیڈنٹ کا شکریہ ادا کیا جاوے اور دعا کیجاوے کہ خدا کی برکتیں اس پر نازل ہوں کہ اس نے یہ کوشش کی ہے کہ جنگی اسلحہ و جنگی جہازات کی تخفیف تمام دنیا کی سلطنتیں کریں۔ ہمارا بھی اس پر صاد ہے۔ لیکن حضرات پادری صاحبان سے صرف اس قدر درخواست ہے کہ وہ کوشش فرما کر حضرت مسیحؑ کی بعض تعلیمیں جو جنگ کے سامان وغیرہ جمع کرنے کے متعلق ہیں وہ تخفیف میں لے آئیں۔ مثلاً حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ میں صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں میں چاہتا ہوں کہ باپ کو بیٹے اور ماں کو بیٹی سے لڑا دوں یا مثلاً یہ کہ جس کے پاس تلوار نہ ہو وہ کپڑے بیچکر بھی خرید لے۔ پھر انشاء اللہ ہم بھی پادری صاحبان کا شکریہ ادا کرینگے اور خدا کی برکات کے لئے داعی ہونگے ٭

---

۲۵ نومبر پاؤنیر سے معلوم ہوا ہے کہ تجویز ہے کہ کلیسیائے انگلستان کی مسلمہ دعا کی کتاب کی ترمیم کی جاوے جسکی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ بعض دعائیں جو شادی کے

متعلق ہیں وہ موجودہ تمدن کے مطابق نہیں ہیں بلکہ بعض فقرات ایسے ہیں جنکو فی زمانہ شرافت ولطافت فطرت ونزاقت نفس سننا گوارا نہیں کرسکتے۔ بیشک وجہ معقول ہے جو چیز ضرورت زمانہ کے خلاف ہو اس کا یہی حشر ہونا چاہیئے۔ مگر کیوں سرے سے بائیبل کو ہی اُڑا نہیں دیا جاتا کیونکہ دعا کی کتاب میں جسقدر دعائیں وغیرہ درج ہیں وہ بائیبل سے ہی اخذ کی گئی ہیں - ہر زمانہ کی ترمیم ظاہر کررہی ہے کہ بائیبل ایک ناقص کتاب ہے۔ دیکھیں عیسائی لوگ کب آنکھیں کھولتے ہیں ؛

بندر سے انسان کے ارتقا کا سوال سائنس دانوں کے لئے بہت عرصہ سے حل طلب ہے۔ کئی دفعہ لوگوں نے کوشش کی کہ انسان اور بندر کے درمیانی کڑی یعنی درمیانی مخلوق کا پتہ چل جائے لیکن غیر تو درکنار ابھی تک سائنس دانوں کی بھی اس امر میں تشفی نہیں ہوئی ایک دفعہ بہت زور سے اخباری دنیا میں یہ خبر گھومی کہ ایسی کڑی سوماٹرا یا بورنیو میں مل گئی ہے لیکن پھر صدائے برنخواست والا معاملہ ہوگیا۔ اب دوبارہ رائیٹر کی پیغام رسانی ایجنسی خبر دیتی ہے کہ شمالی روڈیشیا میں بروکن ہل مائین میں ایک کھوپڑی ملی ہے جسکو سائنس دان فی الحال عارضی اور تجربہ کے طور پر موجودہ نسل انسان اور غاری نسل کے درمیان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غاری نسل ترقی پاکر یہ صورت اختیار کرگئی ہے۔ ڈاکٹر وڈورڈ کا خیال ہے کہ اس کھوپری کا دماغی خول اور جبڑا بالکل انسانی ہیں۔ لیکن پیشانی کی اونچائی اور باہر کی طرف پھیلے ہوئے اور مڑے ہوئے نتھنے بندر کے سے ہیں۔ پروفیسر سمتھ کا خیال ہے کہ یہ کھوپڑی کسی ابتدائی انسانی نسل کے آدمی کی ہے جو گوریلا بندر سے بہت حد تک مشابہ ہے۔ چونکہ سائنس دان خود مطمئن نہیں اسلیئے اس کے برخلاف لکھنا اور کہنا عبث ہے جبتک واقعات پیش نظر نہ ہوں انسان کیا کہہ سکتا ہے لیکن جو عام طور پر

مشہور ہے کہ انسان بندر سے بنا ہے یہ بظاہر غلط ہے اگر ارتقا یہی ہے کہ مینڈک مچھلی سے
لیکر بندر اور پھر بندر سے انسان تو اس وقت تمام دنیا میں کسی نہ کسی جگہ ارتقاء عملی صورت
میں نظر آنا چاہیئے یعنی اس وقت کسی بندر کو اس حالت میں پہنچا ہوا دیکھا جانا چاہیئے
کہ وہ انسان بن گیا اور ایسا ہی دوسری قسم کے جاندار ایک نہ ایک حالت میں تغیر
پذیر ہوتے ہوئے نظر آنے چاہئیں۔ لیکن مشاہدہ اور تجربہ ابھی تک اسکی تائید نہیں
کرتا ہم انسان سے انسان اور حیوان سے حیوان اور نباتات سے نباتات ہی
پیدا ہوتے دیکھتے اور بالکل اسی قسم کا۔ ہاں ان کی حالت میں ایک تغیر بیشک
جاری ہے کہ نطفہ سے علقہ اور پھر گوشت پوست کا لوتھڑا پھر بچہ اور
نوجوان یہی حالت حیوانات کی ہے۔ لیکن اس دنیا میں اس ارتقاء کی بھی
ایک حد ہے فطرت انسانی باوجود ترقی علم و تہذیب کے بالکل وہی ہے جو ابتدا
سے چلی آرہی ہے۔ اسلئے ارتقاء کے عامی مفہوم کے ہم قائل نہیں اور نہ ہی ہم
اسکو صحیح سمجھتے ہیں کیونکہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے *

خالی نیچر کے متبعین کے لئے ہمیشہ نئی نئی مشکلات پیدا ہوتی رہتی ہیں۔
پہلے یورپ وغیرہ میں عام رواج یہی چلا آتا تھا کہ مرد عورت کا اپنے لئے انتخاب کیا کرتا تھا
اب ایک نئی تحریک شروع ہوئی ہے کہ عورتیں اپنے لئے مردوں کا انتخاب کیا کریں
یہ کوئی نئی بات نہیں ہمارے ہندوستان میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے رامائن پڑھنے سے
ہی پتہ چل جاتا ہے۔ لیکن دلائل اپنے اپنے زمانہ کے حال کے مطابق ہر ایک
فریق وضع کر لیتا ہے موجودہ تحریک کے بانی یہ کہتے ہیں کہ تمام جانداروں میں مادہ ہی اپنا
زوج تجویز کرتی ہے سوائے انسان کے۔ ایسا کیوں ہوتا چلا آیا ہے اسکی بڑی وجہ
وہ یہ بتلاتے ہیں کہ پہلے خیال یہ تھا کہ تمام خرچ کا ذمہ وار مرد رہا ہے۔ لیکن اب
یورپ امریکہ میں عورتیں اپنی روزی آپ کمانے لگ گئی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ پرانی

رسم جاری رہے۔ دوسری وجہ وہ یہ بتلاتے ہیں کہ عورت میں جرأت قوت برداشت صبر و تحمل بردباری مرد کی نسبت کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ مرد عورت کی نسبت اپنی قوتوں کا زیادہ بیجا خرچ کرنے والا ہے۔ چوتھی دلیل ان کی یہ ہے کہ امن اور ترقی کے زمانہ میں عورتوں کی نسبت پیدائش مردوں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے صرف قحط سالی وبا اور جنگ کے ایام میں ذکور زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ یہی دلیل ہے اس امر پر کہ اکثر امراء اور دولتمندوں کے خاندان بسبب عورتوں کے پیدا ہونے کے مفقود ہو رہے ہیں *

جنون کو بھی ان امراض میں شمار کیا جاتا ہے جنکو لا علاج کہا جاتا ہے لیکن حال کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ اس کا بھی علاج ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایک سوسائٹی قائم ہوئی ہے جس کا نام Ex-Services Welfare Society انہوں نے تجربۃً ثابت کیا ہے کہ گورنمنٹ کے پاگل خانوں میں اگر لوگوں کو کم فائدہ پہنچا ہے تو اسکی بڑی وجہ عدم توجہی قلت سامان اور قلت تدبر تھی۔ زیادہ لحاظ وہ خوراک کا رکھتے ہیں۔ گاہے گاہے ٹیکہ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ پہلے ایکس رے کے ذریعہ وہ دیکھتے ہیں آیا وہ امعا جس میں سے خوراک گذرتی ہے اس میں کسی قسم کا انجماد تو نہیں۔ کیونکہ اکثر حصہ جنون اسی نالی کی بے قاعدگی سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جاتا ہے تو پھر مریض کو بہت مسہل دئیے جاتے ہیں اس کے بعد خوراک کی خاص احتیاط کی جاتی ہے۔ اگرچہ طریق تشخیص میں کچھ تھوڑا سا اختلاف ہے تاہم تمام ماہرین فن اس امر پر متفق ہیں کہ اگر پورے طور پر تن دہی اور توجہ سے علاج کیا جاوے تو کوئی وجہ نہیں کہ ناکامی ہو۔ لکل داءٍ دواءٌ الا الموت خوب ارشاد نبوی ہی جس کی زمانہ حال کی تحقیقات تصدیق کر رہی ہیں *

اخبار احمدیہ

امریکہ ہمارے مکرم جناب مفتی محمد صادق صاحب جنکو امریکہ کے لوگ ڈاکٹر صادق کہتے ہیں وہاں تبلیغ حق میں مصروف ہیں۔ وہاں کے اخبارات میں آپکے تجربہ علمی آپکے مشن اور آپکے حلیہ کا بڑے خوبصورت الفاظ میں ذکر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت مفتی اپنا تبلیغی دورہ کرتے ہوئے ٹولیڈو میں پہنچے تو وہاں کے "ٹولیڈو نیوز" نے ۱۲ر جولائی کی اشاعت میں ایک بڑا لطیف مضمون آپکے متعلق لکھا ہے جسمیں پہلے آپکی دو سطروں کو گھیر لینے والی علمی ڈگریوں کو لکھ کر باقی کے لکھنے سے اس لئے احتراز کیا ہے کہ سارے خطابات کا اندراج بھی بے لطفی کا موجب ہوگا۔ آپکے لباس کے متعلق لکھتا ہے کہ آپکی سبز پگڑی آپ سے کبھی جدا نہیں ہوتی یہ ایسی چیز ہے جس سے آپ نمایاں طور پر ہر جگہ پہچانے جا سکتے ہیں۔ آپکے ہاتھوں کی چھوٹائی پر اسکو بہت تعجب ہے۔ آپ کا رسالہ وہاں پر بڑا کام کر رہا ہے۔ جس کا تیسرا نمبر شائع ہو چکا ہے اس میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصویر بھی ہے۔

مغربی افریقہ جناب نیر یعنی مولوی عبدالرحیم صاحب مبلغ مغربی افریقہ بھی دورے میں ہیں۔ سینکڑوں میل کے علاقہ نے آپکی قدم بوسی کی ہے۔ آپ کہیں موٹر میں چلے جاتے دکھائی دیتے ہیں کہیں پیدل۔ کہیں موٹر آپ کو اڑائے لئے جا رہی ہیں۔ کہیں خود پا بگل۔ جسے کہیں راہ رو کہیں کسی گاؤں والے کہیں سرکاری آدمی کہیں احمدی احباب وہاں سے نکال لیتے ہیں۔ حضرت نیر جہاں جاتے ہیں لوگ پروانوں کی طرح آپ پر گرتے محبت کے ہاتھوں لیتے اور آنکھوں پہ بٹھاتے ہیں۔ اس دورے میں ایک تعداد اسّی افراد غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے میں مسلمانوں میں عیسائیت نے وہ قدم جمائے ہیں کہ وہاں کے مسلمان بے خبری میں صلیب کو بطور زیور اور سجاوٹ کے گلے میں ڈالے پھرتے ہیں۔ حضرت نیر نے جب اس نظارے کو دیکھا اور صلیب کو مردوں اور عورتوں کے گلے کا ہار پایا۔ تو شاگرد کا سر صلیب نے ان لوگوں کو اس مشرکانہ علامت کے دُور کرنے کے لئے اشارہ کیا جس کی انہوں نے تعمیل کی۔ نائیجیریا کے لوگ نام ہی کے احمدی نہیں بلکہ دین کی ضروریات کو بھی سمجھنے لگے ہیں۔ اور اس کے لئے انہوں نے مستقل چندے مقرر کر دیئے ہیں ؛

ماریشس مولٰنا حافظ غلام محمد صاحب بی۔ اے مبلّغ اسلام ماریشس تبلیغی جلسہ کرتے ہیں جس میں آپ بھی وعظ کرتے ہیں اور وہاں کے احباب میں سے ذی علم لوگ بھی لیکچر دیتے ہیں۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ جہاں ولایت میں مسیح کی الُوہیت کے خلاف حضرات پادری صاحبان ہم سے ہم آہنگ ہوگئے ہیں وہاں ماریشس سے بھی یہ آواز آئی ہے کہ ماہ اکتوبر کے ایک تبلیغی جلسہ میں جس میں توحید باری کا مضمون زیر بحث تھا ایک پادری نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں بھی تثلیث کا قائل نہیں توحید کو مانتا ہوں مزید خیالات بیان کرتا۔ اگر عیسائی صاحبان بھی ہوتے ؛

مشرقی افریقہ نیروبی میں ۲۲ اکتوبر کو احباب نیروبی نے تبلیغی جلسہ منعقد کیا۔ جس میں مولوی عبدالکریم صاحب ممباسہ اور مولوی عبدالحی صاحب بھاگلپوری اور ملک احمد حسین صاحب نے تقریریں کیں۔ مضامین۔ اسلام۔ خاتم النبیین۔ صداقت مسیح موعودؑ اور وفات مسیحؑ ناصری ؛

اربعین بخاری یہ چھوٹا سا رسالہ بابا محمد حسن واعظ سے ۲ ر میں مل سکتا ہے۔

ملکی صنعت کی قدر کرو

۱۹۱۸ء

مقبول عام صنعتی تحفہ قادیان کا

تعجب بازار ... پائیدار تحفہ

واہ واہ ری مشین تو نے گھر میں آسانی کردی تیزی رفتار نے سیکڑوں کی گرانی سے رہائی دی

نوایجاد سیویاں بنانیکی مشین

سارٹیفیکیٹ

(نمبر۱) **نعمت غیر مترقبہ**

جناب بابو اکبر علی صاحب سب انجینیر سونا ملکی ضلع بنکورا تحریر فرماتے ہیں۔ "مرسلہ مشین عید کے روز ملی مشکور ہوا۔ واقعی مشین سفر کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ ایک بڑی مشین ارسال فرماویں"

(نمبر۲) **تحفہ دیدی**

جناب محمد رمضان صاحب تاجر کتب اسلامیہ سیت پور مظفر نگر لکھتے ہیں:۔ "آج ۲۳/۱۲ دو عدد مشین کا پارسل ع۵ قیمت للعہ وصول پایا مشین ہذا بالکل خوشنما اور قابل نمونہ ہے۔ جس سے جناب کی صنعت وحرفت کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ اللہ آپ کے کارخانہ کو ترقی عطا فرمائے۔ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ

عرصہ ایک سال سے آپکے کارخانہ کی مشین سویاں طلب کرکے عموماً روزمرہ استعمال کرتے ہیں کوئی پرزہ خراب نہ ہوا۔ آخر ایک دوست کو تحفۃً دیدی۔ اب تک برابر چل رہی ہے۔ اس نوایجاد میں جو پیتل کے پرزے ہیں وہ بالکل عمدہ ہیں۔ جو [illegible] دو روپے قیمت بہت کم ہے (نرخ بدلتا رہتا ہو بہت سے پہلے نرخ دریافت فرما لیا کریں) جس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ نمبر۲ مشین کے تیار ہونے پر اطلاع دیں۔

قیمت مع ایسے پرزہ کے کہ جہاں مرضی ہو چسپاں کرکے کام لیں۔ چھ روپیہ بغیر پرزہ ۱۰/ ہے

نوٹ۔ اس مشین کو نابالغ بچہ چلا سکتا ہے۔ ۱۳ منٹ میں ایک سیر پختہ سیویاں نکالتی ہے وزن صرف ایک سیر۔

ایم فضل کریم عبد الکریم قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۷۹

(مطبع میگزین قادیان میں باہتمام شیخ عبدالرحمن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر چھپ کر صدر انجمن احمدیہ کیلئے شائع ہوا)